ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

45

20تا26نومبر2012ء/5تا11محرم الحرام1434ھ

اس شمارے میں

ہنوز ''اسلام آباد'' دوراست

اخلاق نبویؐ کی چند کرنیں

کم کوش ساتھیوں سے دردمندانہ گزارش

مسائل کا حل: جمہوریت یا خلافت؟

موافقات واولیاتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

تنظیم اسلامی کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

ایمانِ حقیقی کا سرچشمہ: قرآنِ حکیم

ایمان کا سب سے بڑا منبع وسرچشمہ خود قرآنِ حکیم ہے۔ سورۃ الانفال میں سچے اہلِ ایمان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿......وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا......﴾ ''اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کردیتی ہیں''۔

معرفت رب ہر انسان کے دل میں ودیعت شدہ ہے اور ضرورت صرف اسے جلا دینے یعنی activate کرنے کی ہے۔ یہ صرف نورِ وحی سے ہی ممکن ہے۔ چنانچہ جب فطرتِ سلیمہ پر نورِ وحی کا نزول ہوگا تو نورِ ایمان وجود میں آجائے گا۔

ہمارا انسانی وجود ایک مرکب وجود ہے جو جسد اور روح پر مشتمل ہے۔ ہمارے جسد خاکی کی تمام ضروریات اس زمین سے پوری ہوتی ہیں۔ لیکن ہمارا روحانی وجود عالمِ امر کی شے ہے اور اس کے تغذیہ وتقویت کے لئے اللہ تعالیٰ نے عالمِ بالا سے قرآنِ حکیم نازل کیا ہے۔ ہماری زمینی حیات کا مبدا پانی ہے اور یہی ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے۔ عالمِ حیاتیات میں جو کام پانی سرانجام دیتا ہے وہی کام عالمِ امر میں قرآن کرتا ہے۔

ہماری پوری تحریک' جدوجہد اور جستجو کا یہی فلسفہ ہے کہ قرآنِ حکیم ایمان ویقین کا منبع وسرچشمہ ہے۔ ضرورت صرف تعلیم وتعلم کے ذریعے اسے عام کرنے کی ہے کیونکہ اسی ذریعے سے شعوری ایمان پیدا ہوگا۔

''حقیقتِ ایمان''

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سورۃ یوسف

(آیات 45تا49)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿٤٥﴾ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ
عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ
فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ﴿٤٩﴾

آیت ۴۵ ﴿وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ ’’اور کہا اُس شخص نے جو اُن دونوں (قیدیوں) میں سے نجات پا گیا تھا اور ایک طویل عرصے کے بعد اسے (اچانک) یاد آ گیا:‘‘

وہ شخص جیل سے رہا ہو کر پھر سے ساقی گری کر رہا تھا۔ اسے بادشاہ کے خواب کے ذکر سے اچانک حضرت یوسف علیہ السلام یاد آ گئے کہ ہاں جیل میں ایک شخص ہے جو خوابوں کی تعبیر بتانے میں بڑا ماہر ہے۔

﴿اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿٤٥﴾﴾ ’’(اس نے کہا) میں بتا دوں گا تم لوگوں کو اس کی تعبیر‘ بس مجھے ذرا (قید خانے میں یوسف کے پاس) بھیج دیں۔‘‘

اس طرح وہ شخص جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ کر آپؑ سے مخاطب ہوا:

آیت ۴۶ ﴿یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ﴾ ’’اے یوسف! اے راست باز! ہمیں تعبیر بتایئے سات موٹی گائیوں کے بارے میں کہ انہیں کھا رہی ہیں سات دبلی‘ اور سات سبز بالیوں اور دوسری (سات) خشک بالیوں کے بارے میں۔‘‘

﴿لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿٤٦﴾﴾ ’’تاکہ میں واپس جاؤں (تعبیر لے کر) اُن لوگوں کے پاس‘ تاکہ انہیں بھی معلوم ہو جائے۔‘‘

آیت ۴۷ ﴿قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ﴾ ’’یوسفؑ نے (تعبیر بتاتے ہوئے) فرمایا کہ تم سات سال تک خوب زراعت کرو گے لگاتار۔‘‘

﴿فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿٤٧﴾﴾ ’’تو (اس دوران میں) جو فصل بھی تم کاٹو اُسے رہنے دینا اس کی بالیوں ہی میں‘ سوائے اُس قلیل تعداد کے جو تم کھاؤ۔‘‘

آپؑ نے صرف اس خواب کی تعبیر ہی نہیں بتائی بلکہ مسئلے کی تدبیر بھی بتا دی اور تدبیر بھی ایسی جو شاہی مشیروں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ آج کے سائنسی تجربات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اناج کو محفوظ کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اسے سٹوں کے اندر ہی رہنے دیا جائے اور ان سٹوں کو محفوظ کر لیا جائے۔ اس طرح سے اناج خراب نہیں ہوتا اور اسے کیڑوں مکوڑوں سے بچانے کے لیے کسی اضافی preservative کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

آیت ۴۸ ﴿ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ﴾ ’’پھر اس کے بعد سات سال آئیں گے بہت سخت۔‘‘

خوشحالی کے سات سالوں کے بعد سات سال تک خشک سالی کا سماں ہو گا جس کی وجہ سے ملک میں شدید قحط پڑ جائے گا۔

﴿یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿٤٨﴾﴾ ’’وہ (سات سال) چٹ کر جائیں گے اس کو جو کچھ تم نے ان کے لیے بچا رکھا ہو گا سوائے اُس کے جو تم (بیج کے لیے) محفوظ کر لو گے۔‘‘

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ سات سال تک ملک میں بہت خوشحالی ہو گی‘ فصلیں بہت اچھی ہوں گی‘ مگر ان سات سالوں کے بعد سات سال ایسے آئیں گے جن میں خشک سالی کے سبب شدید قحط پڑ جائے گا۔ اس مسئلے کی تدبیر آپؑ نے یہ بتائی کہ پہلے سات سال کے دوران صرف ضرورت کا اناج استعمال کرنا‘ اور باقی سٹوں کے اندر ہی محفوظ کرتے جانا اور جب قحط کا زمانہ آئے تو ان سٹوں سے نکال کر بقدر ضرورت اناج استعمال کرنا۔

آیت ۴۹ ﴿ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ﴿٤٩﴾﴾ ’’پھر آئے گا اس کے بعد ایک سال کہ اس میں خوب بارشیں ہوں گی لوگوں پر اور اس میں وہ (انگور کا) رس نچوڑیں گے۔‘‘

جب خوب بارشیں ہوں گی تو انگور کی بیلیں خوب پھلیں پھولیں گی‘ انگور کی پیداوار بھی خوب ہو گی‘ لوگ خوب انگور نچوڑیں گے اور شراب کشید کریں گے۔

تا خلافت کی بنا، دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

جلد 21 — شمارہ 45
20 تا 26 نومبر 2012ء
5 تا 11 محرم الحرام 1434ھ

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36313131
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا----------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہنوز ''اسلام آباد'' دور است!

محمد شاہ رنگیلا تاریخ کا ایک دلچسپ کردار ہے۔ تاریخی روایت یہ ہے کہ وہ ہر وقت شراب کے نشہ میں بدمست رہتا تھا۔ امور سلطنت سے اسے کچھ تعلق نہ تھا۔ ظاہر ہے ایسی سلطنت کتنے دن نکال سکتی ہے۔ کمزور شکار اگر شکاری کو سرِراہ ملے گا تو شکاری کیوں حملہ آور نہ ہوگا۔ دشمن کی افواج کی محمد شاہ رنگیلا کو اپنی سلطنت کی طرف بڑھنے کی اطلاعات ملیں تو اس نے کہا ''ہنوز دلی دور است''۔ دشمن کی افواج بڑھتی چلی آ رہی تھیں۔ بالآخر اسے تحریری طور پر مطلع کیا گیا کہ دشمن ہماری سلطنت کو روندنے چلا آ رہا ہے۔ وہ اس وقت شراب کے حوض کے کنارے پڑا تھا۔ اس نے وہ رقعہ جس پر یہ اطلاع تحریر تھی یہ کہتے ہوئے شراب میں ڈبو دیا ''ہنوز دلی دور است''۔

موجودہ حالات میں پوری قوم کا خصوصاً ہمارے موجودہ حکمرانوں کا رویہ اس سے قطعی طور پر مختلف نہیں۔ کراچی، بلوچستان اور شمالی علاقہ جات میں قتل و غارت جاری ہے۔ انسان کیڑے مکوڑوں کی طرح مارے جا رہے ہیں۔ دن دیہاڑے لوگوں کو عام شاہراہوں سے اٹھا لیا جاتا ہے، پھر سڑکوں اور میدانوں میں ان کی بے گور و کفن لاشیں ملتی ہیں۔ بھتا خوری کے خلاف عوامی سطح پر اور میڈیا میں طوفان کھڑا ہوا ہے مگر مجال ہے جو اس میں کسی قسم کی کمی واقع ہوئی ہو۔ موٹر سائیکلیں، گاڑیاں اور موبائلز فون گن پوائنٹ پر، سینکڑوں کی تعداد میں روزانہ چھینے جا رہے ہیں۔ مہنگائی نے غریب ہی نہیں متوسط طبقہ کا جینا بھی دوبھر کیا ہوا ہے۔ ان حالات میں بیرونی سرمایہ کاری تو بڑی دور کی بات ہے ملکی سرمایہ دار صنعتیں کیوں قائم کریں گے۔ فیصل آباد سے ٹیکسٹائل بنگلہ دیش منتقل ہو رہی ہے۔ کراچی سے بڑا سرمایہ دار فرار ہو رہا ہے۔ گویا پاکستان سے اڑان کے لیے سرمایہ کو پر لگ چکے ہیں۔ ایسے میں بے روزگار کہاں کھپائے جائیں گے، برسرِروزگار فارغ کیے جا رہے ہیں، تعلیمی ڈگریاں اور سندیں ردی کاغذ کے ٹکڑوں کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ لہٰذا جس کا بس چلتا ہے اور جس کے لیے بھی ممکن ہوتا ہے وہ اپنے علم اور اپنے ہنر کو لیے روزگار کی خاطر بیرون ملک جا رہا ہے۔ گویا وطن عزیز سے مسلسل برین ڈرین ہو رہا ہے۔ رہی سہی کسر لوڈشیڈنگ نے نکال دی ہے۔ بجلی کا زبردست بحران ہے۔ پاک سرزمین گیس کے وسیع ذخائر سے بھری ہوئی ہے، لیکن گیس نکالنے اور تقسیم کا ذریعہ انتہائی خراب ہے جس سے گیس کا بھی بحران ہے۔ گویا اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی کا منظر ہے، لیکن حکومت جیسے پتھر کی بنی ہو بلکہ پتھر بھی پھٹ جاتے ہیں اور ان سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں، لیکن موجودہ حکومت ٹس سے مس نہیں ہو رہی۔ اسے خدا کا خوف ہے اور نہ عوام کی فکر۔ حکومت صرف لوٹ مار اور کرپشن کے حوالے سے متحرک نظر آتی ہے۔ کرپشن کی ایسی ایسی داستانیں گردش کر رہی ہیں کہ اگر ان کا ایک چوتھائی بھی سچ اور درست ہے تو وہ اربوں کھربوں سے آگے کی بات ہے۔

واپڈا، ریلوے، پی آئی اے، پاکستان سٹیل مل وغیرہ بری طرح تباہ ہو چکے ہیں۔ حکومت عوام کا خون نچوڑ نچوڑ کر ان اندھے کنوؤں میں ڈالے جا رہی ہے لیکن ان کی حالت پھر بھی نہیں بدل رہی۔ حکومت اپنے ہی اداروں سے جنگ و جدل میں مصروف ہے۔ کبھی عدلیہ کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑی ہو جاتی ہے اور کبھی فوج کی سازشوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ پارلیمنٹ ایک شخص کے ہاتھوں یرغمال بنی ہوئی ہے اور اس کی حیثیت ربڑ سٹیمپ کی ہے۔ وہ اپنی ایسی قرارداد کو بھی عملی طور پر نافذ کرنے میں بے بس نظر آتی ہے جو اس نے متفقہ

طور پر منظور کی ہو۔ اپوزیشن کے اطوار بھی مختلف نہیں۔ اس کے اکثر لیڈران حکومت پر تنقید کرتے ہیں لیکن ذاتی' سیاسی اور جماعتی فوائد حاصل کر کے خاموش ہو جاتے ہیں یعنی اس نے فرینڈلی اپوزیشن کی صورت اختیار کی ہوئی ہے۔ عدلیہ نے اگرچہ بعض اچھے اور اہم کام سرانجام دیے ہیں' لیکن عوام کی توقعات قطعی طور پر پوری نہیں ہو سکیں۔ اس لیے کہ عدلیہ نے ساری صلاحیتیں خود کو طاقتور بنانے میں اور ایسے جج حضرات کا انتخاب کرنے میں لگائی ہیں جو چیف کو مضبوط کریں' جو مختلف اداروں سے تصادم میں چیف کا ساتھ دیں۔ عدلیہ کی سطح پر عوامی مسائل حل کرنے اور انہیں جلد اور سستا انصاف مہیا کرنے کی طرف توجہ مرکوز نہیں کی جا سکی۔ پاک فوج کو اس قوم نے ہمیشہ غیر معمولی عزت دی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عوام نے اسے ضرورت سے زیادہ سر چڑھایا ہے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ اسے ماضی قریب تک مقدس گائے کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ خصوصاً جرنیلوں کا معاملہ یہ رہا ہے کہ وہ ہر قسم کے احتساب اور حساب کتاب سے بالاتر رہے ہیں۔ پھر وہ ہاتھی کے مانند زندہ لاکھ کے اور مردہ سوا لاکھ کے رہے، لیکن بیرونی دشمنوں کے خلاف خصوصاً نائن الیون کے بعد پرویز مشرف اور اس کے جانشینوں کی کارکردگی انتہائی مایوس کن رہی۔ پھر یہ کہ حال ہی میں جو اسکینڈل بعض ریٹائرڈ جرنیلوں کے سامنے آئے ہیں ابھی تک کی صورت حال کے مطابق عسکری قیادت ان پر پردہ ڈالتی نظر آتی ہے۔ یہ طرزِ عمل کیا نتائج برآمد کرائے گا، کسی کو اس کی پروا نہیں۔ سول بیوروکریسی حکمران ہی نہیں آقا بھی ہے۔ ان کا معاملہ یہ ہے کہ سیاسی حکمرانوں کی کرسی تو عارضی ہی ہوتی ہے اور بعض اوقات کمزور بھی، لیکن ہمارے سول بیوروکریٹ تو مستقل اور پکے حاکم ہیں۔ عوام کی حیثیت ہمیشہ سے ان کے سامنے غلام اور بھیڑ بکریوں کی سی رہی ہے۔ اب آ جائیے عوام کی طرف، اگرچہ بہت سے معاملات میں عوام بے بس اور مظلوم ہیں، لیکن ان کا عمومی رجحان یہ ہے کہ جس کے ہاتھ جو آئے لوٹ لے اور جہاں بس چلے جائز ناجائز کو بالائے طاق رکھ کر ہتھیا لو۔ یعنی عوامی رجحان بھی منفی ہے۔ ساری تگ و دو' ساری جدوجہد صرف اور صرف دنیا کی ہے اور ہر قیمت پر ہے الا ماشاء اللہ۔

قومی سطح پر ان تمام خصوصیات نے پاکستان کو ایک ایسا شکار بنا دیا ہے جو کمزور ہے، جو خود حفاظتی کی طاقت نہیں رکھتا، جو دشمن کے خلاف مزاحمت کی قوت بھی نہیں رکھتا۔ اب اس پر اگر شکاری حملہ آور نہیں ہوتے تو یہ تاریخ کے خلاف بات ہے یعنی تاریخی لحاظ سے انہونی بات ہے۔ لہٰذا تاریخی اور جغرافیائی دشمن بھارت کے منہ سے رال ٹپک رہی ہے۔ کروسیڈ کا نعرہ لگا کر مذہبی بنیاد پر عیسائی قوتیں بھی دو دو ہاتھ کرنا چاہتی ہیں۔ یہودی تو آغاز سے اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے آئے ہیں۔ گویا بھارت' امریکہ کی سربراہی میں عیسائی دنیا اور اسرائیل کا ایک ایسا اتحاد ثلاثہ قائم ہو چکا ہے جو اس کمزور اور نحیف شکار کو گھیر کر کونے سے لگا چکا ہے۔ اب آخری اور فیصلہ کن حملہ کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں جبکہ دوسری طرف پاکستانی قوم بحیثیت مجموعی اپنے حکمرانوں کی امامت میں نعرہ زن ہے ''ہنوز'' 'اسلام آباد' دور است۔

قارئین کرام! پاکستان کی صورت حال کی جو نقشہ کشی ہم نے سطور بالا میں کی ہے اس سے آپ بھی بخوبی آشنا ہیں۔ ہم نے کوئی نئی بات نہیں کی، لیکن ہماری اکثریت لاتعلق کیوں ہے۔ وہ صرف حکمرانوں کو دوش دے کر کس طرح بری الذمہ ہو سکتی ہے۔ پھر یہ کہ اگر کشتی ڈوبی تو کیا صرف ملاح ڈوبے گا، مسافر نہیں ڈوبیں گے۔ ہم کس آس پر وقت گزاری کر رہے ہیں؟ کیا کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس اللہ کو حاضر ناظر جان کر، اپنے دل میں ہاتھ رکھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ روایتی انداز میں روایتی طریقے سے حکمرانوں کی تبدیلی سے ہم داخلی سطح پر حالات سدھار سکیں گے اور عالمی شکاریوں سے جان بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے' ہم ان کا محاصرہ توڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ یقیناً اس کے لیے ایک انقلاب کی ضرورت ہے۔ سٹیٹس کو کو توڑنے کی ضرورت ہے۔ ہم درجنوں بلکہ سینکڑوں مرتبہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ انقلاب کیسے آئے گا۔ ہمیں زمینی سپر پاورز کے خلاف کائنات کی سپریم پاور سے مدد حاصل کرنا ہوگی اور یہ مدد اس وقت تک حاصل نہیں کی جا سکتی جب تک ہم حقیقی مسلمان یا مؤمن نہ بنیں۔ لہٰذا بددل ہونے کی بجائے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا ہوگا۔ پھر یہ کہ اسی راستے پر دوسروں کو لانے کے لیے محنت کرنا ہوگی۔ ہماری یہ بہت بڑی کمزوری ہے کہ ہمیں دوسروں پر کام کرنے میں بڑی جھجک محسوس ہوتی ہے۔ یہ جھجک ذاتی مفادات کے حصول کے حوالہ سے نہیں ہوتی' اپنے کاروبار کی مارکیٹنگ کے لیے نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اپنے گلے شکوے دوسروں کے سامنے رکھنے میں نہیں ہوتی۔

ہمارا اس وقت حال یہ ہے کہ ؏ 'میری دنیا لٹ رہی تھی اور میں خاموش تھا''۔ اس خاموشی کو توڑنا ہوگا۔ لوگوں کو حقیقی مسلمان اور اللہ کا مخلص بندہ بنانے کے لیے جہاد کرنا ہوگا۔ ایسا معاشرہ تشکیل دینا ہوگا جو حقیقی اسلامی معاشرہ کہلا سکے۔ پھر اللہ کی مدد سے ایک اسلامی فلاحی ریاست وجود میں آ سکے گی جو بیرونی قوتوں کو بھی منہ توڑ جواب دے سکے گی۔ زوردار تحریریں اور نعرۂ تکبیر کی صداؤں میں کی جانے والی پرجوش تقریریں اگر ہمیں حقیقی مسلمان نہیں بناتیں اور ایک مسلمان کی دینی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی طرف راغب نہیں کرتیں تو پھر بابا سب کہانیاں ہیں۔ آئیے' آج خود حقیقی مسلمان اور اللہ کے خالص بندے بنیں' تاکہ کل لوگوں کو اس کی دعوت دینے کے قابل ہوں اور اسلامی انقلاب کا راستہ ہموار ہو سکے۔ وگرنہ ہماری حالت ایسے مریض جیسی ہوگی جو نہ دوا استعمال کرتا ہے نہ دعا کرتا ہے اور بالآخر موت کی وادی میں اتر جاتا ہے۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 45 روپے اشاعت عام: 25 روپے

اخلاق نبویؐ کی چند کرنیں

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں اکیڈمی کے شعبۂ تحقیق اسلامی کے ریسرچ سکالر
جناب مومن محمود کا 9 نومبر 2012ء کا خطاب جمعہ

[سورۃ القلم کی ابتدائی آیات کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! آج ہم ان شاء اللہ اخلاق نبویؐ پر گفتگو کریں گے۔ اللہ کے نبیؐ کا دفاع اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود فرمایا ہے۔ جب بھی کفار یا مشرکین قریش کی جانب سے آپؐ پر کوئی اعتراض کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے دفاع کی ذمہ داری خود اٹھائی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ''اے نبی ﷺ، ہم آپ کی طرف سے استہزا کرنے والوں کے لئے کافی ہو جائیں گے''۔ (الحجر: 95)
چنانچہ جب اللہ کے نبی ﷺ کو مجنون کہا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ابطال اور تردید کے لئے ایک پوری سورت ''القلم'' نازل فرمائی۔ اس سورت میں نہ صرف اللہ کے نبی ﷺ کے دفاع اور آپؐ کے اخلاق عالیہ کا ذکر کیا گیا بلکہ جو لوگ آپؐ پر انگلی اٹھا رہے تھے اور ہیں ان کے اخلاق رذیلہ کو بھی تفصیل سے بیان کر دیا گیا۔ سورت کے آغاز میں آپؐ کے دفاع میں قسم کھائی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ (۱) مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (۲) وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ (۳)﴾

''ن۔ قسم ہے قلم کی اور جو یہ لکھتے ہیں، کہ (اے محمدؐ) تم اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہو، اور تمہارے لئے بے انتہا اجر ہے۔''

بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سارے کے سارے قلم اور جو بھی لکھنے والے لوگ ہیں، ان کی ذہنی صلاحیتیں رسول اللہ ﷺ کی ہستی کے اقوال و افعال کی تشریح میں خرچ ہو جائیں گی۔ اللہ کے نبی ﷺ کی حیات اور تعلیمات پر وسیع لٹریچر وجود میں آئے گا تو کیا ایسا شخص مجنون ہو سکتا ہے کہ جس کے الفاظ کی شرح پر لائبریریوں کی لائبریریاں وجود میں آ جائیں۔ ''اور بے شک آپؐ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔'' یہاں بھی مفسرین نے ایک نکتہ یہ بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ عربی زبان کا عام اسلوب یہ ہے کہ جب کہنا ہو کہ ''اس کے اخلاق اچھے ہیں'' تو کہا جاتا ہے کہ ''لہ اخلاقا حسنا'' یا ''لہ خلق حسن''۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (۴)﴾ ''اور بے شک آپؐ خلق عظیم پر ہیں۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر خلق عظیم کسی کو دیکھنا ہے تو اس کا معیار ہی اخلاق نبویؐ ہے۔

نبی ﷺ کے اخلاق عالیہ کے تذکرہ کے بعد آیات 10 تا 16 میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی صفات ذمیمہ بیان کی ہیں جنہوں نے اللہ کے نبی ﷺ کو مجنون کہا تھا۔ فرمایا:

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ (۱۰) هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ (۱۱) مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ (۱۲) عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ (۱۳) اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِیْنَ (۱۴) اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (۱۵) سَنَسِمُهٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ (۱۶)﴾

''اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آ جانا جو بہت قسمیں کھانے والا، ذلیل اوقات ہو، طعن آمیز اشارتیں کرنے والا، چغلیاں لئے پھرنے والا، مال میں بخل کرنے والا، حد سے بڑھا، ہوا، بدکار، سخت خو اور اس کے علاوہ بدذات ہے۔ اس سبب سے کہ مال اور بیٹے رکھتا ہے۔ جب اس کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ ''آپ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔'' آپؐ کے اخلاق عالیہ کا نہ تو کما حقہ ادراک کیا جا سکتا ہے اور نہ اِس پر ایک نشست میں گفتگو ہو سکتی ہے، البتہ آپؐ کے جو چیدہ چیدہ اخلاق ہیں، میں اُن کا ایک خاکہ دینے کی کوشش کروں گا۔

اخلاق ہمارے دین کی ایک بہت جامع اصطلاح ہے۔ اس کا تعلق ایمان کا ساتھ ہے۔ حقیقی اخلاق کسی غیر مومن شخص کے ہو ہی نہیں سکتے۔ جو شخص جتنا بلند درجۂ ایمان پر ہوگا، اُس کا اخلاق اُسی درجے اچھا ہوگا۔ چنانچہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ''اہل ایمان میں ایمان کے اعتبار سے کامل وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں اچھے ہیں۔'' (مسند احمد) اسی طرح آپؐ نے فرمایا: ''نیکی حسن خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔'' (مسند احمد)
علماء نے اخلاق کی جو تعریف بیان کی ہے اُس کے مطابق اخلاق دو معرفتوں کے نتیجے میں وجود میں آتے ہیں: معرفت ذات اور معرفت رب۔ ان دو معرفتوں کے نتیجے میں انسان میں جو صفات پیدا ہوتی ہیں، ان کو اخلاق کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو پہچاننا کہ وہ الغنی ہے اور اپنے آپ کو پہچاننا کہ میں فقیر ہوں۔ اللہ کو پہچاننا کہ وہ بے نیاز ہے، اس کو کسی کی حاجت نہیں ہے۔ اور اپنے آپ کو پہچاننا کہ میں محتاج ہوں۔ اللہ کو پہچاننا کہ وہ العلیم ہے یعنی تمام علم اس کے پاس ہے اور اپنے آپ کو پہچاننا کہ میں جاہل ہوں۔ اللہ کو پہچاننا کہ وہ العزیز ہے اور اپنے آپ کو متواضع کی حیثیت سے پہچاننا۔ یعنی ہر وہ صفت جو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی عبودیت کی نسبت سے پیدا ہوگی، وہ اخلاق کہلائے گی۔ ایمان اور تصور عبودیت کے بغیر جو اخلاق پیدا ہوگا وہ محض ظاہری جسد ہوگا، جو روح سے خالی ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جب بھی اخلاقی صفات بیان کرتا ہے تو اس کا آغاز بھی ایمان سے ہوتا ہے اور اختتام بھی۔ مثال کے طور پر سورۃ الفرقان

میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اخلاقی صفات ذکر کیں، بات ”رحمان کے بندے“ کے تصور سے شروع سے ہوئی۔ فرمایا:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (٦٣)......﴾

”اور اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں......“ یعنی اللہ کے بندوں میں جو صفات حسنہ پائی جاتی ہیں وہ اس وجہ سے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو رحمان کی عبودیت میں دے دیا۔ یہ صفات ان میں نسبت عبودیت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ انسان یوں تو اخلاق کا مظاہرہ کئی مصالح کے تحت کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک دکاندار اپنے گاہکوں سے بہت اچھے طریقے سے پیش آتا ہے، لیکن اس کے پیچھے دنیوی مفاد ہوتا ہے، تاکہ جو شے اس نے بیچنی ہے وہ اچھے طریقے سے بک جائے۔ اصل اخلاقیات جن کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اور جو اہل ایمان سے مطلوب ہیں، حقیقت میں وہ اخلاقی خوبیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں۔

اب آیئے، اخلاق نبوی ﷺ کی کرنوں کی طرف!

اللہ کے نبی ﷺ کی جو بنیادی اخلاقی صفت تھی اور جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بعد ہر انسان میں پیدا ہونی چاہیے وہ صفت تواضع ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا۔“ (ترمذی) اللہ کے نبی ﷺ کی ذات گرامی تواضع کی صفت سے متصف تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ اختیار دیا تھا کہ آپ ”عبدا نبیا“ (وہ نبی جن پر صفت عبودیت غالب ہو) بننا چاہتے ہیں یا ”ملگا نبیا“ (وہ نبی جن پر شاہانہ صفات غالب ہوں) بننا چاہتے ہیں۔ تو آپؐ نے ”عبدا نبیا“ بننا پسند فرمایا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بدو صحابی اللہ کے نبی ﷺ کے سامنے حاضر ہوئے، اور آپؐ کے رعب کی وجہ سے ان پر ہیبت سی طاری ہو گئی۔ اس موقع پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں محض ایک غلام ہوں، اللہ کا بندہ ہوں، کھاتا بھی اسی طریقے پر ہوں جیسے کہ ایک غلام کھاتا ہے، اور بیٹھتا بھی اسی طریقے پر ہوں جیسا کہ ایک غلام بیٹھتا ہے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں اس عورت کا بیٹا ہوں جو روٹی کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھی۔ آپؐ کی تواضع کا یہ حال تھا کہ آپؐ گھر کے کاموں میں بھی مشغول ہوتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ الگ سے سٹیٹس قائم کیا ہو کہ میں یہ چھوٹے موٹے کام نہیں کر سکتا۔ آپؐ اپنے کپڑوں پر پیوند لگایا کرتے تھے۔ بکری کا دودھ خود دوھیا کرتے تھے۔ اپنے جوتوں کو خود گانٹھا کرتے تھے۔ اونٹ کو خود باندھا کرتے تھے۔ اس کے لئے چارہ بھی خود لے کر آتے تھے۔ آپؐ اپنے خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور اپنا سامان بازار سے خود لے کر آتے تھے۔ روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ بازار تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے کچھ سامان لے کر آ رہے تھے۔ ایک صحابی نے آپؐ کو دیکھا تو کہا کہ میں آپؐ کا سامان اٹھا لیتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس کا مال ہے اسی کو اٹھانا چاہیے۔ میں اپنا سامان لے کر آیا ہوں، اپنا سامان خود اٹھاؤں گا۔ آپ جب کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اللہ کے نبی ﷺ اس کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ آپؐ کی مجلس میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک اجنبی شخص آپؐ کی مجلس میں آتا تو اُسے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اللہ کے نبی کون سے ہیں۔

اللہ کے نبی ﷺ کی ایک بنیادی صفت حلم تھی۔ اس کا تعلق بھی تواضع ہی سے ہے۔ حلم یہ ہے کہ انسان کو غصہ پر اُبھارنے والے اسباب چاروں طرف موجود ہوں اور وہ بدلہ لینے پر قدرت بھی رکھتا ہو مگر وہ اپنے آپ کو تھام لے۔ یہ بھی اللہ کے نبی ﷺ کی صفت تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی جان کے لئے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا، اپنے نفس کے لیے کبھی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا، ہاں جب اللہ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا۔ تب آپؐ صرف اللہ کے لیے انتقام لیا کرتے تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی عورت پر، کبھی کسی خادم پر ہاتھ نہیں اٹھایا الا یہ کہ آپؐ میدان جنگ میں ہوں۔

آپؐ کی ایک نمایاں صفت عفو و درگزر تھی۔ آپؐ نے اپنی جان کے دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا۔ اس کی نمایاں مثالیں سفر طائف اور فتح مکہ کے موقع پر آپؐ کا عظیم الشان طرزِ عمل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ قرض لیا تھا۔ ابھی یہ قرض واپس کرنے کی مدت باقی تھی کہ وہ یہودی قرض کا تقاضا لے کر آ گیا۔ اُس نے آپؐ کی شان اقدس میں گستاخی کی۔ آپؐ کا گریبان پکڑ لیا، اور کہا کہ مجھے قرض واپس کرو، تمہارا خاندان ہمیشہ قرض واپس کرنے میں تاخیر کرتا ہے۔ اس موقع پر سیدنا

پریس ریلیز (16 نومبر 2012ء) حافظ عاکف سعید

سزائے موت کو ختم کرنا خلاف شریعت ہے

صدر کا سزائے موت کی معافی سے متعلق آئینی حق بھی صریحاً خلاف اسلام ہے

سزائے موت کو ختم کرنا خلاف شریعت ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت نے گزشتہ پانچ سال سے سزائے موت پر عمل درآمد موقوف کر رکھا ہے اور اس دوران میں صرف ایک شخص کو پھانسی دی گئی۔ جبکہ سینکڑوں پھانسی کے مجرموں کی سزا پر عملدرآمد نہیں ہو رہا، گویا وہ نہ زندوں میں ہیں نہ مردوں میں، جو اُن کے ساتھ بھی سنگین زیادتی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اسلام تین صورتوں میں جان کے بدلہ جان لینے کا حکم دیتا ہے، اولاً اگر کوئی کسی کو قتل کر دے، ثانیاً اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں اور ثالثاً اگر کوئی مسلمان اسلام کو باقاعدہ ترک کرنے کا اعلان کر دے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہماری حکومت عالمی دباو کی وجہ سے سزائے موت کو ختم کرنا چاہتی ہے اس لئے کہ دنیا کے لئے یہ اسلامی شق انتہائی تکلیف دہ ہے کہ مذہب کی تبدیلی پر کسی کو سزا دی جائے۔ اُنہوں نے ملک کے صدر کے اس آئینی حق پر بھی شدید تنقید کی جو کسی مجرم کی سزائے موت کو معاف کرنے کی اُنہیں اجازت دیتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ شق صریحاً خلاف شریعت ہے۔ اس لئے کہ اسلام میں قاتل کو صرف اس کے لواحقین معاف کر سکتے ہیں۔ یہ حق کسی اور کو حاصل نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمیں قانون سازی کرتے وقت یہ دیکھنا چاہیے کہ آئین کی شق 27 A واضح ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کوئی قانون قرآن اور سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا لیکن حیرت ہے کہ یہ آئین کے رکھوالے خود ہی آئین کی مٹی پلید کرتے ہیں۔ اُنہوں نے مطالبہ کیا کہ پاکستان کے تمام قوانین کو مکمل طور پر شریعت محمدی کے تابع کیا جائے۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی)

عمرؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کی کیا میں اس کی گردن نہ اڑا دوں؟ اس پر اللہ کے نبی ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ اس کی بجائے تمہیں چاہیے تھا کہ مجھے نصیحت کرتے کہ اس کا مال ادا کرو، اور اس کو بھی نصیحت کرتے کہ مال لینے (قرض واپس لینے) کا یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے، بلکہ اچھے طریقے سے مانگا کرو۔ پھر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اس کا مال دے دو اور کچھ مزید بھی دے دو۔ آپؐ کی عظمت کردار اور اعلیٰ اخلاق دیکھ کر یہودی اُس وقت ایمان لے آیا۔

(بحوالہ: ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ'' از قاضی عیاضؒ)

اخلاق کی ایک اہم خوبی سخاوت ہے۔ یہ صفت بھی آپؐ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپؐ کثرت کے ساتھ لوگوں پر مال خرچ کرتے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اللہ کے نبی ﷺ سے کسی نے سوال کیا ہو اور آپؐ نے جواب میں ''نہیں'' کہا ہو۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپؐ کسی سوالی اور ضرورت مند سے یہ کہہ دیا ہو کہ میں تمہاری حاجت پوری نہیں کر سکتا۔ آپؐ نے ہمیشہ اُس کی ضرورت پوری کی۔ اُس کی مالی معاونت فرمائی۔ یوں بھی ہوتا تھا کہ آپؐ کے پاس گنجائش نہ ہوتی، تو آپؐ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ترغیب دیتے تھے کہ تم میں سے کوئی اس شخص کی حاجت پوری کرے۔ آپؐ آنے والے کل کے لئے کچھ بھی ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مجلس میں آپ کو نوّے ہزار درہم دیئے گئے، اور آپؐ نے اُٹھنے سے پہلے پہلے وہ رقم اللہ کی راہ میں تقسیم کر دی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''آپؐ پردہ والی کنواری لڑکیوں سے زیادہ باحیا تھے، جب کوئی بات ایسی دیکھتے جو آپ کو ناگوار ہوتی تو ہم لوگوں کو آپؐ کے چہرے سے معلوم ہو جاتا۔'' (بخاری) کسی شخص کا نام لے کر اُس پر تنقید نہ کرتے تھے، بلکہ عمومی انداز سے اصلاح فرمایا کرتے تھے۔ حیا کی وجہ سے آپؐ کسی کے چہرے پر نظریں نہیں گاڑتے تھے۔ آپ نہ فحش گوئی کرتے تھے، نہ بازاروں میں کبھی بلند آواز میں گفتگو کرتے تھے۔ نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، بلکہ درگزر فرماتے تھے۔ آپؐ سے جب بھی کوئی ملاقات کرتا تھا آپؐ اس سے مسکراتے چہرے کے ساتھ ملتے تھے۔ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں میں نے اللہ کے نبی ﷺ سے زیادہ مسکراتا چہرہ کسی کا نہیں دیکھا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ دینداری یہ نہیں کہ ہر وقت چہرے پر غم کے آثار طاری ہوں اور ایسا محسوس ہو کہ آدمی اللہ کے خوف سے مسکرا بھی نہیں سکتا۔ اللہ کے نبی ﷺ کا یہ طریقہ نہیں تھا۔ اللہ کے نبی ﷺ زیادہ خاموش رہنے والے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ منہ سے خیر کا کلمہ نکالے یا پھر خاموش رہے۔ آپؐ بغیر حاجت کے گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ آپؐ کا ہنسنا تبسم تھا۔ یعنی عموماً صرف مسکراہٹ ہی پر اکتفا کرتے تھے۔ آپؐ کا کلام فیصلہ کن ہوتا تھا۔ نہ حد سے آگے بڑھا ہوا ہوتا تھا اور نہ حاجت سے کم۔ نبی اکرم ﷺ جب مجلس میں کوئی بات کہتے تھے اور وہ زیادہ اہم ہوتی تو تین دفعہ ضرور دہراتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی کہ آپؐ کسی مومن و مسلم ہی نہیں، کسی کافر دشمن کا بھی مذاق نہیں اُڑاتے تھے۔ یہ انسانی عظمت کردار کا ایک نہایت اہم پہلو یہ ہے۔ جس شخص کو بھی اللہ کے لئے کسی سے دشمنی ہوتی ہے اس کا انداز استہزائیہ نہیں ہوتا بلکہ خیر خواہی کا ہوتا ہے۔ جو شخص کسی کا استہزا کرتا ہے اُس کا طرز عمل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اُسے اپنے مخالف سے نفرت اللہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجوہات اور ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے صحابہؓ سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم ایک دوسرے کی باتیں مجھے پہنچایا نہ کرو۔

اللہ کے نبی ﷺ (تنہائی میں) غم میں مبتلا رہنے والے تھے، اور جب لوگوں کے سامنے نکلتے تھے تو چہرے پر بشاشت ہوا کرتی تھی۔ مسلسل غور و فکر میں مشغول رہتے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپؐ کو کوئی آرام نہیں ہے۔ بغیر حاجت کے گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ کلام کا آغاز اور اختتام اللہ کے کلام پر کرتے تھے، اور جوامع الکلم کے ساتھ گفتگو کرتے تھے۔ نہ آپؐ ایسے تھے کہ لوگوں پر بھاری پڑ جائیں اور نہ ایسے کہ لوگ آپؐ کو ہلکا سمجھ لیں۔ (یعنی اعتدال کی کیفیت تھی)۔ اللہ کے نبی ﷺ اللہ کی آئی ہوئی نعمت کی تعظیم فرمایا کرتے تھے، چاہے وہ نعمت بہت تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ جو بھی اللہ کی طرف سے نعمت عطا کی جاتی تھی اس میں کبھی کوئی عیب نہیں نکالتے تھے۔ کبھی اس کی مذمت نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر پسند ہوتا تھا تو کھا لیتے تھے، وگرنہ ترک کر دیتے تھے۔ دنیا کی کسی شے کی وجہ سے آپؐ کو غصہ نہیں آتا تھا۔ اگر غصہ آتا تھا تو اللہ کے دین کی وجہ سے آتا تھا۔ جب حق کو پامال کیا جاتا تو آپؐ کے غضب کے مقابلے میں کوئی کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ آپؐ جب کسی کی طرف اشارہ کرتے تھے تو انگلی سے نہیں بلکہ پورے ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے۔ جب آپؐ غصے میں ہوتے تھے تو اعراض فرماتے تھے، اور اپنے چہرے کو پھیر لیتے تھے۔ جب خوش ہوتے تھے تو اپنی آنکھوں کو جھکا لیتے تھے۔ آپؐ کا ہنسنا اکثر تبسم ہوا کرتا تھا اور ایسے محسوس ہوتا تھا کہ سفید موتی آپؐ کے دانتوں سے برآمد ہو رہے ہیں۔

حضرت علی ابن ابی طالبؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ہر وقت مسکراتے چہرے کے ساتھ ہوتے تھے۔ پیچھے ہم نے پڑھا کہ آپؐ ہر وقت غم میں رہتے تھے۔ تو علماء نے اس کی تشریح یہ کی کہ وہ خلوت کی کیفیت تھی، یہ جلوت کی کیفیت ہے۔ آپؐ کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے۔ کسی کا عیب بیان کرتے اور نہ اس کے پوشیدہ عیبوں کی ٹوہ میں رہتے تھے۔ تجسس نہیں کرتے تھے۔ کلام اسی وقت کرتے تھے جب کلام کرنے میں ثواب کی اُمید ہو۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فضول کلام سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا فضول کلام کرنا دل کو سخت کر دیتا ہے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے بغیر کلام کی کثرت نہ کیا کرو، کیونکہ اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ بولنا دل کی سختی کا باعث ہے۔ اور اللہ سے سب سے دور شخص سخت دل والا ہے۔

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ انسان مجلس میں بیٹھا ہو اور وہاں بہت سے لوگ گفتگو کریں تو آدمی پہلے شخص کی بات بہت توجہ سے سنتا ہے۔ دوسرے کی بات پر اس سے کم توجہ دیتا ہے۔ یہاں تک کہ جب دس پندرہ لوگ گزر چکے ہوں تو وہ اُس کی توجہ بہت کم ہو جاتی ہے۔ اللہ کے نبی کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ آپؐ ہر صحابی کی بات ایسے غور سے سنتے تھے کہ گویا یہی صحابی ہیں جو مجلس میں پہلی دفعہ کلام کر رہے ہیں۔ مجلس میں جس بات پر صحابہؓ کو ہنسی آتی تھی، اللہ کے نبی ﷺ بھی اس بات پر ہنستے تھے، اور جس بات پر صحابہؓ تعجب کا اظہار کرتے تھے، اللہ کے نبی ﷺ بھی تعجب کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص باہر سے آ جاتا جس کو ادب معلوم نہ ہوتا اور اس شخص کی گفتگو میں سختی اور اخلاق میں کھردراپن ہوتا ہے اس پر آپؐ صبر کرتے تھے۔ اللہ کے نبی ﷺ ہر صحابی کی طرف اتنا التفات فرمایا کرتے تھے کہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ میں اللہ کے نبی ﷺ کو سب سے بڑھ کر محبوب ہوں۔ یعنی ہر صحابی رضی اللہ عنہ کی طرف آپؐ کی توجہ برابر ہوتی تھی۔

حضرات! میں نے آپ کے سامنے اللہ کے نبی ﷺ کے اخلاق کا ایک مختصر سا خاکہ سامنے پیش کیا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاق نبویؐ سے آراستہ فرمائے۔ (آمین)

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

کم کوش ساتھیوں سے دردمندانہ گزارش

انجینئر حافظ نوید احمد

بفضلہٖ تعالیٰ قافلہ تنظیم اسلامی اپنے سفر کے 37 برس مکمل کر چکا ہے۔ اتنے برس ایک ایسے قافلہ کا، جس کے مسافروں کے پیشِ نظر کوئی دنیوی مفاد نہ ہو، تسلسل کے ساتھ بغیر کسی بحران و انتشار کے سفر جاری رکھنا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا مظہر ہے۔ پھر وہ قافلہ جس نے محض 62 سعادتمندوں کے ساتھ آغازِ سفر کیا تھا، اب سات ہزار سے زائد ہمراہیوں پر مشتمل ہے۔ پاکستان کے تقریباً ہر نمایاں شہر میں اِس قافلہ کے شریک ایک سو سے زائد مقامی تناظیم کی صورت میں منظم ہیں۔ ہر رفیق تنظیم کو اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ جس کی توفیق سے یہ پیش رفت ممکن ہوئی اور قافلہ کے اوّلین رہبر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے لیے بخشش و اجرِ عظیم کی دعا کرنی چاہیے جن کی دردمندانہ پکار پر یہ انقلابی سفر شروع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے مختلف فکری زاویوں سے فرائضِ دینی کی ادائیگی کے لیے ایسے پختہ دلائل دیے جو جوازِ سفر بنتے چلے گئے اور قیام کی ہر دلیل کو رد در رد کرتے چلے گئے ؎

تری رہبری کا یہ فیض ہے، قدم اہل شوق کے بڑھتے گئے
تو نے وہ جوازِ سفر دیا کہ نہ کوئی دلیل قیام ہے

البتہ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ابھی تک تنظیم اسلامی ایسے مؤثر پریشر گروپ کی صورت اختیار نہیں کر سکی جو نہی عن المنکر بالید کے مرحلہ میں داخل ہو سکے اور نظامِ باطل کو چیلنج کر سکے۔ نظامِ باطل کے زیر اثر دجالی فتنہ مزید سے مزید پھیل رہا ہے اور اِس کا تدارک کرنے والی کوششیں بے بسی اور کمزوری کی تصویر بنی ہوئی ہیں۔ صورتِ حال کی اِس خرابی کے کئی خارجی عوامل بھی ہو سکتے ہیں لیکن ہمیں سب سے پہلے اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ اپنے گریبان میں جھانکنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ رفقائے تنظیم کی تعداد تو سات ہزار سے تجاوز کر گئی ہے لیکن اُن میں ایک بڑی تعداد ایسے ساتھیوں کی ہے جو بے ذوق نہ بھی ہوں لیکن کم کوش ضرور ہیں۔ بڑے مبارک جذبات کے ساتھ دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے قافلہ تنظیم میں شامل تو ہو گئے ہیں لیکن استقامت کے ساتھ سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے سے عاجز ہیں۔ اُن میں جذبات کو لٹریچر کے مطالعہ سے فکری پختگی میں تبدیل کرنے کا ذوق و شوق کم نظر آتا ہے۔ اِس اعتبار سے ہر رفیق تنظیم کو اپنی کیفیت کا جائزہ لینا چاہیے کہ آیا اُس کی نماز و قربانی اور اُس کا جینا و مرنا اللہ کے لیے ہے یا نہیں۔ یہ جائزہ لینا تو رفقائے تنظیم کے مطلوبہ دس اوصاف میں سے ایک وصف ہے۔ باقی نو مطلوبہ اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کی ابتدا بھی اِسی جائزہ سے ہوگی۔

اس میں کوئی شک نہیں حق و باطل کی کشمکش کے حوالے سے صورتِ حال اہل حق کے لیے مایوس کن اور حوصلہ شکن ہے، تاہم مایوسی کے اِن اندھیاروں میں امید کی تین کرنیں حوصلہ بخش ہیں:

i- ایک فعال رفیق کے لیے اُس کی مالی و جانی قربانیاں کیونکہ محاسبہ اخروی انفرادی طور پر ہوگا اور اُس نازک مرحلے پر وہ کہہ سکے گا کہ اے اللہ! میں نے تو دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے وہ سب کچھ کیا جو میں کر سکتا تھا۔ اللہ نے اجر و ثواب بھی انسان کی کاوشوں پر دینا ہے نہ کہ دنیا میں اِن کاوشوں کے نتائج پر۔

ii- ہر فعال ساتھی، دوسرے ساتھیوں کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث بنتا ہے۔ اُس کے ایثار و قربانی سے دوسروں کو بھی قربانیاں دینے کی ترغیب ہوتی ہے اور نیکیوں میں مسابقت کی ایک پاکیزہ فضا قائم ہوتی ہے۔

iii- افغانستان میں طالبان کا ایمان و یقین اور جرأت و بہادری کا طرزِ عمل کہ جس نے وقت کی سپریم پاور ہونے کا دعویٰ کرنے والی ریاست کے غرور و تکبر کو خاک میں ملا دیا۔ نہ صرف اُس کے رعونت آمیز مطالبات کے سامنے سر جھکانے سے انکار کیا بلکہ اُس کی ٹیکنالوجی اور بے پناہ وسائل کا مقابلہ اللہ پر توکل و بھروسہ کے ساتھ اِس طرح دیوانہ وار کیا کہ مادہ پرستی کے اِس دور میں چشم اقوامِ عالم نے دیکھ لیا:

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:249)

”کتنی ہی بار ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت غالب آ گئی بڑی جماعت پر اللہ کی توفیق سے۔“

البتہ مایوسیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں امید کی یہ کرنیں صرف اُن ساتھیوں کے لیے ہیں جو دینی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے اپنی امکانی حد تک کوشش کر رہے ہیں۔ وہ ساتھی جو بغیر کسی حقیقی عذر کے کم کوش یا غیر فعال ہیں اُنہیں سوچنا چاہیے کہ:

i- اللہ نے اُن پر کتنا بڑا احسان کیا کہ اُنہیں قرآن و سنت کی روشنی میں فرائضِ دینی کے ایسے تصور کا فہم دیا جو قرآن و سنت کی واضح تعلیمات پر مبنی ہے۔ پھر توفیق عطا فرمائی کہ اِن فرائض کی ادائیگی کے لیے جماعت میں شامل ہو جائیں۔ اب غیر فعال اور کم کوش ہونا کہیں اللہ کے احسانات کی ناشکری تو نہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر سورۃ ابراہیم آیت 7 میں وارد ہونے والا یہ ارشاد لرزا دینے والا ہے کہ:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝﴾

”اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور عطا کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو بے شک میرا عذاب انتہائی سخت ہے۔“

ii- کم کوش ساتھی فرائضِ دینی کی ادائیگی میں کوتاہی کر کے نہ صرف خود گناہ کرتا ہے بلکہ جماعت کے دوسروں ساتھیوں کو بھی مایوس کرتا ہے اور اُن کی حوصلہ شکنی کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم جماعت میں آئے تو اجر و ثواب کے حصول کے لیے تھے لیکن اجر کے بجائے اپنی کوتاہی اور دوسروں کی حوصلہ شکنی کا وبال سمیٹ رہے ہوں۔

iii- فرائضِ دینی کی ادائیگی میں مسلسل کوتاہی ایک بہت بڑی محرومی کا سبب بھی بن سکتی جس سے مندرجہ ذیل آیات میں خبردار کیا گیا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝﴾ (الانفال:24)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لبیک کہو اللہ اور اُس کے رسول کی پکار پر جبکہ وہ اللہ تمہیں پکارے تا کہ اِس کے ذریعے سے وہ تمہیں زندگی دے (پاکیزہ)۔“

جان لو کہ اللہ حائل ہو جایا کرتا ہے بندے اور اُس کے دل کے درمیان اور اُسی کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے۔“

﴿ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ ﴾

(سورۃ محمدؐ 38)

”اور اللہ غنی ہے اور تم فقیر ہو اور اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو وہ بدل کر لے آئے گا تمہارے سوا کسی اور قوم کو اور وہ تمہاری طرح نہیں ہوگی۔“

اگر آج ہم نے اپنی کم کوشی اور غیر فعالیت کی روش کو ترک نہ کیا اور دنیا داری میں کھو کر غفلت کا مظاہرہ کرتے رہے تو عنقریب موت کی کیفیت آنے والی ہے۔ اُس وقت غافل انسان التجا کرے گا

﴿ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ...... ﴾ (المنافقون:10)

”اے میرے پروردگار! مجھے تھوڑی سی مہلت کیوں نہیں دے دیتا کہ میں صدقہ کرلوں اور ہو جاؤں بالکل نیک۔“

اُس وقت کی پشیمانی مفید نہ ہوگی اِس لیے کہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ

﴿ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ﴾

(المنافقون:11)

”اور اللہ ہرگز مہلت نہیں دیتا اُسے جس کی موت کا وقت آجاتا ہے“۔

پھر ایسا بدنصیب انسان روزِ قیامت فریاد کرے گا۔

﴿ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴾ (الفجر:24)

”ہائے میری خرابی! کاش میں نے اِس زندگی کے لئے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔“

روزِ قیامت کی یہ فریاد کسی کام نہ آئے گی۔ اِس سے پہلے کہ ہماری موت آئے یا اللہ کی طرف سے ہماری محرومی کا فیصلہ ہو جائے، ہمیں اللہ سے اپنی سابقہ کوتاہیوں پر گڑگڑا کر معافی مانگنی چاہیے اور یہ عہد کرنا چاہئے کہ ہم آئندہ پورے جوش و جذبہ کے ساتھ دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے امکانی حد تک مال و جان کی قربانی پیش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

☆☆☆

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ﴾

تنظیم اسلامی

کا سالانہ

کُل پاکستان اجتماع

② ③ ④ دسمبر

2012ء

(بروز اتوار، پیر، منگل)

بمقام مرکزی اجتماع گاہ، بہاولپور

منعقد ہو رہا ہے (ان شاء اللہ العزیز)

خالصتاً اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا و محبت کو

اپنے حق میں واجب کرنے، نظم کو مستحکم اور امیر تنظیم کی تقویت کے لئے

تمام رفقاء کو شرکت کی بھرپور دعوت ہے

تفصیلات کے لئے اپنے مقامی نظم سے رجوع کیجئے!

المعلن: ناظم اعلیٰ، تنظیم اسلامی

فون (042)36293939-36316638-36366638

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت، اہمیت و لزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص: 40روپے　　اشاعت عام: 15روپے

مسائل کا حل:

آمریت‘ جمہوریت‘ یا خلافت؟

خلافت فورم میں فکر انگیز مذاکرہ

شرکاء: پروفیسر غالب عطاء، ایوب بیگ مرزا

میزبان: وسیم احمد

سوال: قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک پاکستان کے لیے جمہوری نظام بہتر رہا ہے یا فوجی آمریت؟

ایوب بیگ مرزا: سب سے پہلے اس بات کی تصحیح ہو جانی چاہیے کہ جمہوریت ایک نظام کی بجائے ایک طرزِ حکومت کا نام ہے۔ ہر طرزِ حکومت ایک نظام کے تابع ہوتا ہے۔ جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کے تحت چلنے والا طرزِ حکمرانی ہے۔ دوسرے لفظوں میں جمہوریت سرمایہ پرستانہ نظام کے تحت چلتی ہے۔ ایک امریکی سینیٹر کا اس حوالے سے تاریخی بیان موجود ہے کہ ”ہمارا اصل اثاثہ سرمایہ دارانہ نظام ہے اور ہماری جمہوریت اس سرمایہ دارانہ نظام کے تحفظ کے لیے ایک ڈھال ہے۔“ سرمایہ دارانہ نظام نے جمہوریت کو یرغمال بنا لیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ جمہوریت اپنے بڑے مفاسد (جیسے اللہ کی بجائے عوام کی حاکمیت) کے ساتھ ساتھ اپنے اندر بعض خوبیاں بھی رکھتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی باطل نظام اس وقت قائم رہ ہی نہیں سکتا جب تک اُس میں کچھ نہ کچھ حق کی چاشنی شامل نہ ہو۔ بدقسمتی سے پاکستان میں قائم جمہوریت میں شر کے تمام پہلوؤں کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ البتہ میں سمجھتا ہوں کہ آمریت کے مقابلہ میں جمہوریت پھر بھی بہتر طرزِ حکومت ہے، خاص طور پر پسماندہ ملکوں کے لیے کہ ان ممالک نے جمہوری ادوار میں ہی ترقی کی ہے۔

سوال: پاکستان کی 65 سالہ تاریخ میں جمہوری نظام نے پاکستان کو کیا فائدہ دیا اور کیا نقصان پہنچایا؟ اسی طرح فوجی آمریت نے پاکستان کو کتنا فائدہ پہنچایا اور کتنا نقصان؟

پروفیسر غالب عطاء: اگرچہ دونوں طرزِ ہائے حکومت اسلام میں حرام ہیں، لیکن ہمارے ہاں جمہوریت کو مقدس گائے بنا دیا گیا ہے، تاکہ جمہوریت ڈی ریل نہ ہو سکے۔ جمہوریت اور آمریت میں قانون سازی کا اختیار افراد کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ جمہوریت میں کثرتِ رائے سے ایک قانون مرتب کیا جاتا ہے، جبکہ آمریت میں یہ اختیار فردِ واحد کو حاصل ہوتا ہے۔ گویا جمہوریت میں حلال و حرام کا فیصلہ چند افراد کرتے ہیں جبکہ آمریت میں یہ حق ایک فرد کو حاصل ہوتا ہے۔ ان دونوں کے برعکس اسلام یہ کہتا ہے کہ حلال و حرام کے فیصلہ کا حق اور اختیار صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کو حاصل ہے۔ دورِ نبویؐ کا واقعہ ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ، جو پہلے عیسائی تھے، جب نبی ﷺ کے پاس حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوئے تو انہوں نے منجملہ اور سوالات کے ایک سوال سورۃ التوبہ کی آیت 31 ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ......﴾ کے حوالے سے بھی کیا تھا کہ اس آیت میں ہم پر اپنے علماء اور درویشوں کو خدا بنا لینے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے اس کی اصلیت کیا ہے۔ جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا: کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جو کچھ یہ لوگ حرام قرار دیتے ہیں اسے تم حرام مان لیتے ہو اور جو کچھ یہ حلال قرار دیتے ہیں اسے حلال مان لیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو ضرور ہم کرتے رہے ہیں۔ فرمایا بس یہی ان کو خدا بنا لینا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی سند کے بغیر جو لوگ انسانی زندگی کے لئے جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرتے ہیں وہ دراصل خدائی کے مقام پر بزعمِ خود متمکن ہوتے ہیں اور جو ان کے اس حقِ شریعت سازی کو تسلیم کرتے ہیں وہ انہیں خدا بناتے ہیں۔ لہٰذا یہ بڑی ہی بے ہودہ اور لغو بات ہے کہ کفر کی گود میں جنم لینے والے نظام جمہوریت کو اسلام کی طرز پر بنانے کی کوشش کی جائے۔ معاذ اللہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسلام ایک ناقص نظام رکھتا ہے، لہٰذا ہمیں اپنے سیاسی نظام کو قائم کرنے کے لیے کفر ہی کے نظام کو لینا ہوگا۔ قرآن کی اس آیت کے بعد کہ ”آج میں نے تمہارا دین تم پر مکمل کر لیا ہے“ کے بعد بھی ہم اپنے اجتماعی نظام کے لیے کفریہ نظاموں سے رجوع کریں تو پھر یہ قرآن پر ہمارا ایمان نہ ہونے کی دلیل ہے۔ جمہوریت کو اسلامائز کرنے کی کوشش ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص قربانی کے لئے بکرے کی بجائے سُور لے آئے۔ لہٰذا ہمیں اُس سور سے نجات حاصل کر کے اُس بکرے کو لانا ہوگا جس کی قربانی اللہ تعالیٰ کی نظر میں جائز ہے۔ میرے نزدیک اسلام میں جمہوریت کا لفظ تک استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ آپ دیکھیں، اسلام نے اپنی اصطلاحات کا ہر دور میں دفاع کیا ہے۔ آپ ﷺ کے زمانے میں ”کرم“ کا لفظ اللہ پاک کی ایک صفت کے ساتھ منسوب کیا جانے لگا۔ اُس زمانے میں یہ لفظ انگور سے بننے والی شراب کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے لفظ ”کرم“ کو شراب کے لیے استعمال کرنے سے منع فرما دیا۔ یوں لفظ ’کرم‘ صرف اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم صفت کے لیے وقف ہو گیا۔ اسی طرح قرآنی لفظ ”راعنا“ کو غلط تلفظ کے ساتھ بول کر اس کے کوئی اور معنی لیے جانے لگے تو حکمِ ربانی آیا کہ ”راعنا“ کی بجائے ”انظرنا“ بولا جائے۔ پس اسلام بہت واضح دین ہے۔ اس کا اپنا ایک سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام ہے۔ ہمیں پورے طور پر اسی نظام کو اختیار کرنا چاہئے۔ جمہوریت اور آمریت سے فائدہ حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے حرام شے میں سے کسی حلال شے کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

سوال: بانیٔ پاکستان قائداعظم کو جمہوریت کے حوالے سے رول ماڈل کہا جاتا ہے، لیکن اُنھوں نے گورنر جنرل بنتے ہی صوبہ سرحد کی حکومت کو ختم کر دیا۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟

ایوب بیگ مرزا: میں اس بات کا جواب جمہوری پس منظر میں ہی دوں گا۔ قائداعظم کا فیصلہ اُس وقت ٹھیک تھا، کیونکہ جمہوریت میں آئین سازی کسی ملک کے آئین کے اندر رہ کر ہی کی جا سکتی ہے۔ اُس وقت صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان کی حکومت تھی، جو باچا خان کے چھوٹے بھائی تھے۔ ڈاکٹر خان صاحب نے اُس وقت پاکستان کے پرچم کو سلامی دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اگرچہ اسلام میں قومی ترانہ اور پرچم کو سلامی دینا منع اور حرام ہے، لیکن جمہوری طرزِ عمل کے تحت ڈاکٹر خان نے پاکستانی قومی پرچم کو سلامی

نہ دے کر ریاست پاکستان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا ۔ایسے میں قائداعظم نے خالصتاً جمہوری طرزِ عمل کے تحت صوبہ سرحد کی حکومت کو ختم کر دیا تھا۔لہٰذا میرے خیال میں جمہوری طرزِ عمل کے تحت قائداعظم کا یہ فیصلہ درست تھا۔

سوال :ہماری 65 سالہ تاریخ میں ہمارے ہاں پائی جانے والی معاشرتی برائیاں جیسے رشوت، اقرباء پروری، لسانیت، کرپشن وغیرہ فوجی ادوار کی نسبت جمہوری ادوار میں زیادہ نظر آتی ہیں۔آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

پروفیسر غالب عطاء:اگر آپ قائداعظم کی 11 اگست 1947ء کی تقریر سنیں تو پہلی بات یہ ہے کہ اُس میں آپ کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا کوئی نام نظر نہیں آئے گا، بلکہ قائداعظم اپنی تقریر کے دوران یہ کہتے ہیں کہ آپ تمام حضرات قانون سازی کرنے میں آزاد ہیں۔درحقیقت ہمارا آئین میں 1935ء کے انڈیا ایکٹ کا چربہ ہے۔ جمہوری دور میں زیادہ کرپشن کے حوالے سے میں یہ کہوں گا کہ جمہوری نظام میں ممبران قومی وصوبائی اسمبلی ملک کے مختلف حلقوں سے اپنے حلقوں سے لاکھوں ووٹروں کی رائے سے چنے جاتے ہیں۔ظاہر ہے اس انتخابی دنگل کے لیے بھاری سرمایہ کاری کی ضرورت ہوتی ہے۔اس سرمایہ کو یہ لوگ سرمایہ دار ووٹروں سے حاصل کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب اسمبلی کے ممبر بن جاتے ہیں تو پھر یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اب ہم نے کس شخص کے مفادات کے تحفظ کے لیے کیا کام کرنا ہے۔ مثلاً اگر سیمنٹ ، تیل، کوئلے، چینی کے کوٹے کا معاملہ ہو تو اُس میں سارا مفاد اُس سرمایہ دار کا ہوتا ہے جس کے تعاون سے یہ لوگ حکومت میں آئے ہوتے ہیں۔لہٰذا یہ بات جو عوام سے کہی جاتی ہے سراسر دھوکا اور جھوٹ ہے کہ آپ نے حق رائے دہی کا ضرور استعمال کرنا ہے،اس لئے کہ آپ کی رائے سے ہی ملک وقوم کی تقدیر کا فیصلہ ہونا ہے۔ حقیقت یہ ہے سرمایہ دارانہ جمہوری نظام میں اصل اہمیت عوام کی بجائے سرمایہ داروں کی ہوتی ہے،اور عوام کی بجائے سرمایہ دار کا ہی تحفظ ہوتا ہے ۔ ہمیں جمہوری ادوار میں بہت زیادہ کرپشن اسی لیے نظر آتی ہے کہ اُس کے پس پردہ سرمایہ دار اور سرمایہ دارانہ نظام ہوتا ہے۔

سوال :یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ پاکستان میں جمہوری نظام کے پس پردہ اصل طاقت Establishment کی رہی ہے ۔تو کیا ہماری جمہوریت بھی حقیقت میں آمریت کی ایک قسم نہیں؟

ایوب بیگ مرزا :جمہوریت کے حوالے سے ہر ایک کی اپنی اپنی رائے ہے اور ہر ایک کو اپنی رائے دینے کا حق حاصل ہے۔ پروفیسر غالب عطاء صاحب نے فرمایا ہے کہ جمہوریت اور آمریت مکمل شر ہے۔ میں بھی اسے شر ہی سمجھتا ہوں، لیکن اس میں خیر کا پہلو بھی ہے۔ البتہ یہ خیر صرف اس حد تک ہے جس حد تک شر (باطل نظام) کو کھڑا کیا جا سکے۔اسلام کا جو تمام انسانوں کی معاشی بہبود کا ضامن ہے سرمایہ دارانہ نظام سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ ہمارے ملک میں نظام خلافت کے خلاف کھل کر جو بیان بازی کی جاتی ہے اُس کی واحد وجہ یہی ہے کہ اگر اسلامی نظام اس ملک میں رائج ہو گیا تو اُس کا کلہاڑا سیدھی ان سرمایہ داروں کی جڑوں پر جا کے پڑے گا، جو سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو ڈھال بنا کر اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں۔ اسلامی نظام کی مخالفت اور جمہوریت کا تحفظ دراصل اپنے مفادات کو بچانے کا حربہ ہے۔ چنانچہ جمہوریت میں جتنے بھی حصہ دار ہیں، وہ سب کے سب اسلامی نظام کے خلاف ہیں۔ جہاں تک اسٹیبلشمنٹ کا تعلق ہے تو وہ امریکہ جیسے ملک میں بھی موجود ہے۔ یہاں تک کہ وائٹ ہاؤس اور پینٹا گون تک کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔ لیکن پاکستان میں اسٹیبلشمنٹ ہمارے ملکی معاملات میں بہت زیادہ فعال ہے۔ یہ فعالیت جہاں بھی ہوتی ہے وہاں ملکوں کو بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے خواہ وہ جمہوری ممالک ہوں یا غیر جمہوری ممالک۔ درحقیقت اسٹیبلشمنٹ میں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو سیاست کا کھیل کھیلتے ہیں۔ مثلاً پینٹا گون میں ایک ایسی اسٹیبلشمنٹ ہے جو وائٹ ہاؤس کے خلاف ہے۔ اسی طرح پاکستان میں جو اسٹیبلشمنٹ فوج یا ISI کی صورت میں موجود ہے، وہ سیاست دانوں کے خلاف ہے۔ لیکن ہمارے اور امریکہ جیسے ملکوں میں بڑا فرق ہے ۔ امریکہ جیسے ملکوں میں اداروں میں اختلافات ہونے کے باوجود ان لوگوں کے پیش نظر سب سے بڑھ کر ملکی مفاد ہوتا ہے ،جبکہ ہمارے ہاں ملکی مفادات سے بڑھ کر انا پرستی ہوتی ہے۔ یوں جمہوریت جو بذاتِ خود ایک شر ہے، اُس شر میں ہم نے اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ ہم آپس میں ہی لڑنا شروع کر دیتے ہیں ۔ ہماری ملکی تاریخ میں جمہوریت کی ٹوٹی پھوٹی گاڑی 1958ء تک ایوب خان کے مارشل لاء تک چلی۔ ایوب خان کا دور حکومت 1969ء تک رہا ہے۔ 1969ء سے جمہوریت جنرل یحییٰ خان کو منتقل ہو کر دوبارہ آمریت کے ہاتھ منتقل ہوگئی۔ 1971ء میں پاکستان دولخت ہوا، جس کے بعد 1973ء کا وہ مقدس اسلامی آئین آ گیا جس کی آج تک مسلسل تذلیل جاری ہے۔ 1973ء کے آئین کو کبھی اسٹیبلشمنٹ ذبح کرتی ہے اور کبھی سیاستدان۔ ہماری اسٹیبلشمنٹ کے ہاتھوں میں بندوق ہے۔ وہ بزور طاقت اپنا فیصلہ منوالیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نواز شریف کی حکومت کے خاتمے کے وقت بھی اسی طاقت کا مظاہرہ ہوا۔ ان سے یہ کہا گیا کہ اس بیان پر دستخط کر دو کہ'' میں خود اپنی حکومت سے دستبردار ہوتا ہوں۔'' میاں صاحب نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر مطالبہ کرنے والے جنرل نے میاں صاحب کی کمر پر پستول رکھ کر ہلکا سا دبایا اور کہا کہ دستخط کرتے ہو یا نہیں، جس پر میاں صاحب نے اس بیان پر فوراً دستخط کر دیئے۔ اسی ایک بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں اسٹیبلشمنٹ بندوق کی نوک پر اپنی مرضی کے بیان دلوا دیتی ہے۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ہماری اسٹیبلشمنٹ کو بھی یہ بات سمجھ میں آ چکی ہے کہ اب اُن کے راستے میں بھی رکاوٹ آ سکتی ہے۔ اسٹیبلشمنٹ کے اس احساس کی سب سے بڑی وجہ میڈیا ہے۔ میری رائے میں اب ملکی وبین الاقوامی حالات اور میڈیا کے آزاد ہونے کی وجہ سے اسٹیبلشمنٹ نے موجودہ حکومت کو خوشی سے یا مجبوری کے تحت قبول کیا ہوا ہے۔ پچھلی حکومتوں کی طرح اب ایسا کرنا آسان نہیں ہے کہ منتخب حکومت گرا کر اسٹیبلشمنٹ اپنی مرضی کی حکومت قائم کر لے۔

سوال :اسلامی نظام حکومت جس کو نظامِ خلافت بھی کہا جاتا ہے جمہوریت سے قریب تر ہے یا آمریت سے؟

پروفیسر غالب عطاء :اسلامی نظام نہ تو جمہوریت کے قریب ہے اور نہ ہی آمریت کے اسلام میں شورائیت اور قانون سازی کا اصول مباحات کی حد تک ہے۔ یعنی مباحات ہی کو باہمی مشورے سے حل کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ کسی بھی ٹیکنیکل چیز کو اُس کا ماہر ہی اچھے طریقہ سے حل کر سکتا ہے، جیسے غزوۂ خندق میں حضرت سلمان فارسی ؓ کے مشورے پر پورے علاقہ میں خندق کھودی گئی۔ اسلام میں مباحات کے دائرے میں باہمی مشورے کو بہت

اہمیت حاصل ہے۔ البتہ حلت وحرمت کے معاملہ میں تمام لوگ حتیٰ کہ خلیفۂ وقت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم میں جکڑا ہوتا ہے۔ وہ حرام وحلال وغیرہ کے تعین میں مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابع ہوتا ہے۔ وہ اپنی رائے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کرنے کا پابند ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کرنے کے لیے مختلف مجتہدین کے درمیان مختلف آراء پائی جاتی ہوں تو ایسی صورتِ حال میں خلیفۃ المسلمین اُن کے درمیان بہتر رائے کو اُس کی دلیل کی قوت کی بنیاد پر نافذ کرتا ہے نہ کہ لوگوں کی اکثریت کی بنیاد پر۔ لہٰذا خلافت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو پوری طرح زمین پر نافذ کیا جائے۔ اسلام کو نہ جمہوریت کی عینک سے دیکھنا چاہیے اور نہ ہی آمریت کی نگاہ سے۔ اِسلام کو کسی دوسرے نظام کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال: ہماری تاریخ گواہ ہے کہ پہلے دن سے لے کر آج تک پاکستان کے مسائل بڑھے ہی ہیں، کم نہیں ہوئے۔ آپ کے خیال میں پاکستان کے مسائل کا حل کس نظام میں ہے۔ جمہوریت، ملوکیت یا خلافت میں؟

ایوب بیگ مرزا: یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ پاکستان ہی نہیں کل نوع انسانی کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دیئے ہوئے نظام سے بڑھ کر کوئی اور نظام بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔ پاکستان تو مملکت خداداد ہے۔ یہ مشیتِ ایزدی کے تحت حاصل کیا گیا ہے۔ آپ دیکھیں، 1940ء کی قرارداد لاہور میں جسے ہم قراردادِ پاکستان کہتے ہیں لفظِ پاکستان استعمال ہی نہیں ہوا تھا۔ لیکن پھر بھی چند سال بعد معجزانہ طور پر دنیا کے نقشے پر پاکستان کے نام سے ملک نمودار ہو گیا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ پاکستان میں کبھی اسلامی نظام آیا ہی نہیں ہے۔ ہر دور میں یہاں جمہوریت یا آمریت کا نظام ہی مسلط رہا ہے۔ پاکستان کے مسائل صرف اسلامی نظام کے نفاذ سے حل ہوں گے۔ تاہم جب تک یہاں اسلامی نظام نہیں آجاتا، ملک میں جمہوریت رہنی چاہئے۔ اس لئے کہ آمریت کے مقابلے میں جمہوریت سے پھر بھی اس ملک میں بہتری آئی ہے۔ یعنی جمہوریت اور ملوکیت دونوں نظام بڑے استحصالی ہیں، مگر جمہوریت کے مقابلے میں آمریت بدتر نظام ہے۔ تاریخی حوالے سے دیکھا جائے تو ہمیں آمریت کے مقابلے میں جمہوریت نے کم نقصان پہنچایا ہے۔ ایوب خان کا دورِ حکومت آمریت کا پہلا دور رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس دور میں ہمارے ملک بالخصوص مشرقی پاکستان میں سب سے زیادہ انڈسٹری لگی ہے۔ اُس دور میں نہ تو مہنگائی کا مسئلہ تھا اور نہ ہی لوڈ شیڈنگ اور ٹارگٹ کلنگ ہوتی تھی۔ لیکن آپ دیکھیں کہ بنگلہ دیش کو دولخت کرنے کی بنیاد بھی اِسی دور میں پڑی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایوب خان کے دور میں بنگلہ دیش میں بہت ترقی ہوئی تھی۔ ایوب خان نے جنرل اعظم خان کو بنگلہ دیش کا گورنر بنایا تھا جن سے بنگالی شدید محبت کرتے تھے، لیکن پھر مشرقی پاکستان نے ہی ایوب خان کے خلاف بغاوت کی تھی۔ حالانکہ وہ سمجھتے تھے کہ چونکہ اُن کے دور میں بنگلہ دیش میں خوشحالی آئی ہے، لہٰذا اُن کے خلاف وہاں بغاوت نہیں ہوگی۔ لیکن بات یہ ہے کہ جب کہیں آزادی کا نعرہ لگتا ہے تو پھر تمام انڈسٹری اور مراعات ایک طرف رکھ دی جاتی ہیں۔ اگرچہ بعد میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سارا الزام ذوالفقار علی بھٹو یا پھر یحییٰ خان پر عائد کیا گیا، لیکن حقیقت میں اِس علیحدگی کی بنیاد ایوب خان نے ہی رکھی تھی۔ اسی طرح اگر ضیاء الحق کے دورِ حکومت کو دیکھا جائے تو میں یہ کہوں گا کہ اسلام کو جتنا بدنام ضیاء الحق نے کیا ہے، کسی اور آمر نے نہیں کیا۔ اسی طرح جنرل پرویز مشرف نے سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگایا اور جس طور سے وہ امریکہ کے آگے جھکا ہے وہ آپ کے سامنے ہے اور اس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ ہمارے سیاستدانوں سے بھی فاش غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ جمہوریت میں لوٹ مار کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں، جبکہ آمریت میں ایک شخص ہوتا ہے لیکن اکیلا ایک شخص بھی بڑی تباہی لاتا ہے۔ آمریت والے بڑی بڑی کرپشنز کرتے ہیں، جبکہ جمہوریت والے بڑی چھوٹی سب کرپشن کرتے ہیں۔ اُن کی لوٹ مار کا اندازہ سوئس بینکوں میں رکھی رقوم سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کس نے زیادہ لوٹ مار کی ہے اور کس نے کم لوٹ مار کی۔ (مرتب: وسیم احمد/محمد بدر الرحمٰن)

[قارئین اس پروگرام کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی آفیشل ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر خلافت فورم کے عنوان سے پر دیکھی جاسکتی ہے۔]

تازہ شمارہ
(اکتوبر تا دسمبر 2012ء)

دعوت رجوع الی القرآن کا نقیب
علوم وحِکمِ قرآنی کا ترجمان

سہ ماہی
حکمت قرآن
لاہور

بیاد: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ــــ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

اس شمارے کے خصوصی مضامین

جمہوریت اور خلافت ــــ حافظ عاطف وحید
ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' کا جائزہ ــــ غلام حیدر
اجتہاد اور اس کا تاریخی ارتقاء ــــ محمد انس حسان
پیپر کرنسی: شرعی حیثیت اور متعلقہ احکام ــــ حافظ نذیر احمد ہاشمی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا دورۂ ترجمہ قرآن بزبانِ انگریزی
Message of The Quran تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے

☆ صفحات: 96 ☆ قیمت فی شمارہ: 50 روپے ☆ سالانہ زرتعاون: 200 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-042-35869501

موافقات و اولیاتِ عمر رضی اللہ عنہ

حافظ محمد زاہد

حضرت عمرؓ کے فضائل اور مناقب سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ابن جوزی نے اپنی کتاب سیرت عمر بن خطابؓ میں حضرت عمار بن یاسرؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ میں نے ایک بار جبرائیل سے کہا کہ وہ ابن خطاب کے مناقب بیان کریں۔ اس پر جبرائیل نے جواب دیا: ''ابن خطاب کے فضائل اور مناقب بیان کرنے کے لیے عمر نوحؑ بھی ناکافی ہے۔''

موافقاتِ عمرؓ

حضرت عمرؓ کی سب سے بڑی فضیلت اور خصوصیت یہ ہے کہ آپؓ الہامی طبیعت کے مالک تھے۔ چنانچہ کئی مقامات پر قرآن کریم کی آیات بعینہٖ اسی انداز میں اتریں جیسے حضرت عمرؓ نے چاہا۔ محدثین اور مؤرخین نے ان مقامات کو ''موافقاتِ عمرؓ'' کا نام دیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے ان کی تعداد 20 لکھی ہے۔ یعنی قرآن مجید کے 20 مقامات ایسے ہیں جن میں حضرت عمرؓ کی عین خواہش کے مطابق قرآنی آیت اور شریعت اسلامیہ کا حکم نازل ہوا۔ ذیل میں ان میں سے چند ایک کو بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ خود فرماتے ہیں کہ میں نے تین چیزوں میں اپنے رب کی موافقت کی۔

(1) میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر آپ مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالیں تو یہ بہتر ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم (سورۃ البقرۃ' آیت 125 میں) نازل فرمادیا۔

(2) میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے پاس نیک اور بُرے سب لوگ آتے ہیں تو آپؐ اُمہات المؤمنین کو پردہ کرنے کا حکم دے دیتے تو بہتر ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے (سورۃ الاحزاب' آیت 59 میں) اس کا حکم نازل کر دیا۔

(3) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر ملی کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بعض ازواج کی سرزنش کی ہے تو میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ تم باز آجاؤ (تو ٹھیک) ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمادیں گے۔ اس موقع پر سورۃ التحریم کی آیت 5 نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا: ''اگر آپ (ﷺ) تمہیں (بعض ازواج کو) طلاق دے دیں تو اس کا رب قریب ہے کہ تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں آپ کو عطا کردے۔''

(4) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی کی وفات ہوئی تو آپؐ اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپؐ جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھے تو میں آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں آپ کے سامنے اس کی بدتمیزیوں کا ذکر کرتا رہا، لیکن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دو کاموں میں اختیار دیا گیا تھا تو میں نے ان میں سے بہتر کو اختیار کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھائی اور تدفین تک قبر کے پاس موجود بھی رہے۔ تھوڑی دیر بعد سورۃ التوبہ کی آیت 83 نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا: ''ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس کی نمازِ جنازہ ہرگز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر کے پاس کھڑے ہوں۔''

(5) غزوۂ بدر کے موقع پر جب کفار کے 70 افراد قیدی بنا لئے گئے تو ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے مشورہ کیا۔ بعض صحابہ کرامؓ نے ان کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا مشورہ دیا جبکہ حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر شخص اپنے قبیلے والے کو قتل کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فدیہ کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور باقی صحابہؓ کے مشورہ پر ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اگلے دن میں صبح نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا تو آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ رو رہے تھے۔ میرے پوچھنے پر فرمایا کہ تمہارے ساتھیوں کے کہنے پر میں نے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری رائے کو پسند فرمایا اور سورۃ الانفال کی آیت 67 اور 68 نازل ہوئیں۔

(6) شراب کے حوالے سے بھی حضرت عمرؓ اکثر اللہ تعالیٰ سے یہ التجا کیا کرتے تھے: یا اللہ! شراب کے بارے میں ہمیں کوئی واضح حکم عطا فرما کیونکہ یہ مال اور عقل کو کھا جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ کی اس خواہش کے مطابق تدریجاً شراب کو حرام قرار دے دیا گیا۔

(7) ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ایک انصاری نابالغ بچہ کو حضرت عمرؓ کو بلانے کے لیے بھیجا۔ جب وہ بچہ آپ کے پاس آیا تو آپؓ اس وقت قیلولہ کر رہے تھے اور نیند کی حالت میں جسم کا کچھ حصہ بے پردہ تھا۔ اس موقع پر آپؓ نے دعا کی: یا اللہ! ہمارے سونے کے اوقات میں کسی کی آمد کو حرام کردے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور کی آیت 58 نازل فرمائی۔ جس میں نابالغ بچوں اور خادموں کو نمازِ فجر سے پہلے دوپہر کے قیلولہ کے وقت اور عشاء کے بعد اجازت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا۔

(8) رسول اللہ ﷺ اور باقی مسلمان جب مدینہ ہجرت کر گئے اور وہاں مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی تو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت کا وقت قریب ہونے کی عام اطلاع کے اعلان کے لیے کوئی خاص طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس بارے میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو اس مشورہ میں پانچ چیزوں کے بارے میں رائے دی گئی۔ حضرت عمرؓ نے نماز باجماعت کے لیے کسی آدمی کے ذریعے اعلان کرانے کی تجویز دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کی اس رائے کو پسند فرمایا اور اذان کا طریقہ رائج کر دیا۔

(9) سورۃ المؤمنوں کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے تمام مراحل کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے جب ان آیات کو سنا تو فوراً کہا: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ اتنے پسند آئے کہ ان الفاظ کو آیت 14 کا حصہ بنالیا۔

اس طرح کے اور بھی کئی مقامات ہیں جن میں حضرت عمرؓ اور وحی الٰہی میں مماثلت پائی جاتی ہے اور یہ ہم آہنگی ہی حضرت عمرؓ کی ایسی فضیلت ہے جو انہیں تمام لوگوں سے ممتاز کرتی ہے۔ حضرت عمر کی وحی الٰہی سے اس قدر مماثلت اور آپ کے دوسرے امتیازات کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو ان میں نبوت کی صفات نظر آتی تھیں۔ ایک موقع پر آپ کا اس کا برملا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً عمر ہی ہوتے۔''

اولیاتِ عمرؓ

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے دین اسلام میں اجتہاد کے ذریعے زندگی کے ہر شعبہ میں کچھ اصطلاحات تجویز اور رائج کیں۔ ان کو مورخین نے "اولیاتِ عمرؓ" کا نام دیا ہے۔ ان اولیات میں سے اکثر کا تعلق تو نظام حکومت سے ہے' جبکہ بعض کا تعلق رفاہِ عامہ سے اور چند ایک کا تعلق شریعت کے احکام سے ہے۔ یہ "اولیات" حضرت عمرؓ کی شخصیت کا نمایاں ترین پہلو ہیں اور یہی وہ اولیات ہیں جن کو غیر مسلم بھی تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان اولیات کی تعداد تقریباً 45 ہے جن کا ذکر تقریباً تمام سیرت نگاروں نے کیا ہے۔ ان اولیات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین پر یہ بات واضح کی جائے کہ خلافت جس کے خاتمہ کے لئے صہیونیوں اور صلیبیوں نے گہری سازش کی اور جس کا راستہ روکنے کے لئے وہ اب بھی مسلسل کوشاں ہیں، کس قدر عمدہ فلاحی نظام ہے۔ دشمنوں کی عیاری دیکھئے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کی رفاہی پالیسیوں کو اپنے مغربی ممالک میں اختیار کیا اور ان میں تھوڑی سی جدت پیدا کر کے اس کا کریڈٹ اپنے سر لینے کو کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے بہت سے لوگ بھی ان چیزوں کو مغربی ممالک کی ایجاد سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کی ابتدا آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں کی تھی۔ ان اولیات کی ایک مختصر سی فہرست درج ذیل ہے:

1۔ آپؓ نے بیت المال یعنی خزانہ کا محکمہ قائم کیا۔

2۔ باقاعدہ طور پر عدالتیں اور قاضی مقرر فرمائے۔

3۔ امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔

4۔ فوجی دفاتر قائم کیے۔

5۔ رضا کاروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

6۔ مال کا دفتر قائم کیا۔

7۔ زمین کا بندوبست اور پیائش کروائی۔

8۔ مردم شماری کرائی۔ اس سے ایک تو ملک کی آبادی کا پتا چلا اور دوسرا اس سے ملک کی اقتصادی ترقی کے لیے منصوبہ بندی میں بھی آسانی ہوئی۔

9۔ تاریخ اور سن قائم کیا جو آج تک سن ہجری کے نام سے مسلمانوں میں جاری ہے۔

10۔ نہریں کھدوائیں جس سے ایک طرف نظام آبپاشی کو ترقی ہوئی اور دوسرے بحری آمد و رفت کا نظام بہتر ہوا۔

11۔ بہت سے شہر آباد کرائے جنہوں نے فوجی چھاؤنیوں کا کام بھی کیا جیسے کوفہ، بصرہ، فسطاط اور موصل وغیرہ۔

12۔ مقبوضہ ممالک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا جس سے ان کے انتظام میں بہت بہتری ہوئی۔

13۔ عشور یعنی درآمدی ڈیوٹی مقرر کی۔

14۔ دریائی پیداوار جیسے عنبر وغیرہ پر محصول (ٹیکس) بھی لگایا اور اس کے لیے محصل (ٹیکس اکٹھا کرنے والے ملازم) مقرر کیے۔

15۔ دارالحرب کے تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔

16۔ جیل خانہ قائم کیا۔

17۔ دُرّہ کا استعمال بھی سب سے پہلے آپ نے کیا، جو ہر وقت آپ کے پاس موجود رہتا تھا حتیٰ کہ بعض روایات کے مطابق نماز کے وقت بھی جائے نماز پر پڑا رہتا تھا۔

18۔ رات کو گشت کر کے رعایا کی خبر گیری کا طریقہ نکالا۔

19۔ پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

20۔ ملک میں جگہ جگہ فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

21۔ گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور تجنیس کی تمیز قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی۔

22۔ پرچہ نویس متعین کیے۔

23۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیے مکانات (مسافر خانے) بنوائے۔

24۔ راہ میں پڑے ہوئے لاوارث بچوں کی پرورش کا انتظام کیا اور ان کے لیے روزینے (ڈیلی الاؤنس) مقرر کیے۔

25۔ مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔

26۔ غلامی کو کم کرنے کے لیے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ اہل عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جاسکتے۔

27۔ مفلوک الحال اور نادار عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کیے۔

28۔ ملک کے مختلف علاقوں میں مکاتب (تعلیمی ادارے) قائم کیے جن سے تعلیم کو فروغ حاصل ہوا۔

29۔ معلمین اور مدرسین کی تنخواہیں مقرر کیں، تاکہ وہ دل جمعی سے تعلیم کے شعبہ کو ترقی دیں۔

30۔ سیدنا ابوبکر کو نہایت اصرار کے ساتھ سب سے پہلے آپؓ ہی نے جمع و ترتیب قرآن پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔

31۔ قیاس کا یہ اصول آپؓ نے وضع کیا کہ علت مشترک ہونے کی وجہ سے حکم ایک ہوگا۔ جیسے ہیروئن میں نشہ کی علت پائی جاتی ہے اس لیے اس کو شراب پر قیاس کرتے ہوئے حرام قرار دیا جائے گا۔

32۔ وراثت میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔ عول یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی ایسی صورت پیش آ جائے کہ وارثوں کی تعداد بڑھ جائے تو اس وجہ سے وارثوں کے حصوں میں کمی کی جاسکتی ہے۔

33۔ فجر کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اضافہ بھی آپؓ نے کروایا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ مؤذن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نماز فجر کی اطلاع دینے آیا تو دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں۔ اس نے آپ کو سوتا دیکھ کر کہا: "الصلوٰۃ خیر من النوم" آپ کو یہ الفاظ بہت پسند آئے۔ چنانچہ آپؓ نے مؤذن کو حکم دیا کہ وہ یہ الفاظ اذان فجر میں شامل کر دے۔ (بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ اور موطا امام مالک) لیکن سنن ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو فجر کی نماز میں مقرر کیا۔

34۔ باقاعدہ طور پر نماز تراویح باجماعت ادا کرنے کا طریقہ آپؓ نے مقرر کیا۔

35۔ تین طلاقیں جو ایک ساتھ دی جائیں کو طلاق بائن قرار دیا اور بیشتر صحابہ کرام نے اس سے اتفاق کیا۔

36۔ شراب کی حد کے لیے 80 کوڑے مقرر کیے۔

37۔ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔

38۔ بنوتغلب کے عیسائیوں پر جزیہ کے بجائے زکوٰۃ مقرر کی۔

39۔ وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

40۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اتفاق بھی آپؓ نے کرایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ کی تکبیرات کی متعدد صورتیں منقول تھیں۔ سیدنا عمر نے چاہا کہ ان میں یک جہتی پیدا فرما دیں کیونکہ آپؓ اختلاف کو سخت نا پسند فرماتے تھے۔ آپؓ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور ان سے نماز جنازہ کی تکبیرات کے بارہ میں مشورہ کیا اور چار تکبیروں پر سب کو متفق کر لیا تا کہ طویل نماز سے مشابہت ہو جائے اور طویل نماز چار رکعت والی نماز ہے۔

41۔ مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا۔ ان کی اجازت سے سیدنا تمیم داری نے وعظ کیا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔

42۔ اماموں اور مؤذنوں کے وظیفے مقرر کئے۔

43۔ مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کرایا۔

44۔ اشعار میں ہجو کہنے (یعنی کسی کی عزت اُچھالنے) پر تعزیر مقرر کی۔

45۔ غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے لوگوں کو منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عربوں میں مدتوں سے چلا آ رہا تھا۔

اخذ و استفادہ:

☆ الفاروقؓ علامہ شبلی نعمانی

☆ عمر فاروقؓ حافظ پروفیسر اظہر محمود

☆ فقہ حضرت عمرؓ ڈاکٹر محمد رواس

☆ سیدنا عمر بن خطابؓ ڈاکٹر علی محمد الصلابی ☆☆☆

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

فرقان دانش

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قریشی النسل تھے۔ ان کے والد حضرت زبیر بن عوامؓ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ والدہ حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی دادی نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ تھیں۔ حضرت زبیرؓ نے اپنے خاندان کے ذریعہ معاش تجارت ہی کو اختیار کیا۔ حضرت عائشہؓ آپؓ کی خالہ تھیں اور آپؓ کو اپنا بیٹا کہتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کی کنیت "ام عبداللہ" آپؓ کے نام کے حوالے سے تھی۔

مسلمانوں کے ہجرت مدینہ کے پہلے یا دوسرے سال حضرت زبیرؓ اپنی والدہ حضرت صفیہؓ اور زوجہ حضرت اسماءؓ کے ساتھ مدینہ ہجرت کر رہے تھے۔ راستے میں قباء کے مقام پر قیام پذیر ہوئے۔ حضرت اسماءؓ حاملہ تھیں۔ اتفاق سے ہجرت مدینہ کے بعد کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہ ہوئی تھی اور یہود مدینہ نے مشہور کر دیا تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور ان کا سلسلہ نسل منقطع کر دیا ہے۔ جب قباء کے مقام پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت ہوئی اور یہ خبر مسلمانوں تک پہنچی تو انہوں نے فرطِ مسرت میں اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ پورا مدینہ گونج اٹھا اور یہودی سخت شرمندہ ہوئے۔ حضرت اسماءؓ ولادت کے فوراً بعد بچے کو لے کر سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو نبی اکرم ﷺ نے ایک کھجور دہن مبارک سے چبا کر ننھے کے منہ میں ڈالی۔ اس کے بعد اس بچے کے لئے آپؐ نے خیر و برکت کی دعا مانگی اور نانا کے نام پر ان کا نام عبداللہ اور کنیت ابوبکر رکھی۔ جب عبداللہ بن زبیرؓ کی اپنی اولاد ہوئی تو آپؓ کے بیٹے خبیب کی نسبت سے دوسری کنیت "ابوخبیب" مشہور ہوئی۔

حضرت عبداللہؓ کو اُن کے والد زبیرؓ آٹھ سال کی عمر میں بارگاہِ نبوت میں لے کر حاضر ہوئے اور آپؐ سے درخواست کی کہ ان سے بیعت لیں۔ نبی اکرم ﷺ کمسن عبداللہ کو دیکھ کر مسکرائے اور انہیں بیعت سے مشرف کیا۔ حضرت عبداللہ بچپن ہی سے فیضان نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے لگے۔ ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ جو بات حضور ﷺ کی زبان مبارک سے نکلتی اُسے خوب غور سے سنتے اور یاد رکھتے۔ بچپن کا واقعہ ہے، ایک دن آپؓ رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے سینگی (پچھنے) لگوائے اور جو خون نکلا وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو دے کر فرمایا کہ اس کو کہیں دبا دو یا کسی ایسی جگہ چھپا آؤ جہاں کسی کی نظر نہ پڑے۔ انہیں نبی اکرم ﷺ سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ باہر گئے اور خون پی لیا۔ جب نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا: "جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ چھو نہیں سکتی۔" نبی اکرم ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر نو یا دس سال تھی۔ اس کم سنی کے باوجود آپؓ سے 33 احادیث مروی ہیں۔

حضرت اسماءؓ نے اپنے لختِ جگر کی پرورش ایک شجاع اور نڈر جنگجو کے طور پر کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنے والد کے ہمراہ پندرہ برس کی عمر میں جنگ یرموک میں مبصر کے طور پر شریک ہوئے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ کی زیر قیادت 16 ہجری میں مصر کے معرکہ میں شامل ہوئے۔ 24 ہجری میں حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ چوبیس برس کے تھے۔ اس عمر میں ان کے علم و زہد کے سب قائل تھے۔ طرابلس ان دنوں افریقہ کا سب سے اہم حصہ تھا اور وہاں کی حکومت و تجارت کا مرکز تھا۔ 26 ہجری میں مصر کے گورنر حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ نے دربار خلافت میں افریقہ پر فوج کشی کی اجازت مانگی۔ اس وقت افریقہ کے شمالی حصہ میں واقع ممالک طرابلس، لیبیا، الجزائر، مراکش وغیرہ کے مجموعہ کو افریقہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ افریقہ پر جرجیر نامی عیسائی حکمران تھا۔ جرجیر ایک آزمودہ جرنیل تھا۔ مسلمان اپنے مرکز سے بہت دور تھے۔ کئی ماہ گزر گئے۔ دونوں فوجوں کے درمیان زبردست جھڑپیں ہوئیں لیکن جنگ کا فیصلہ نہ ہوسکا۔ خلیفۂ وقت نے مسلمانوں کی مدد کے لئے شجاعانِ عرب کا ایک مضبوط دستہ روانہ کیا۔ اس دستے میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حسین بن علیؓ، حسنؓ بن علی، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ جیسے نامور اصحاب شامل تھے۔ تمام عرب مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جنگ طرابلس میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شجاعت اور ذہانت کی بدولت ہی قدم قدم پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور کچھ عرصہ میں تمام طرابلس مفتوح ہوگیا۔ 29 ہجری تک افریقہ (الجزائر و مراکش) کے تمام مشہور شہر اور علاقے مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے فتح کر لیے۔ ان تمام معرکوں میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بے پناہ ہمت اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اور ان کا نام شجاعانِ عرب میں شمار ہونے لگا۔

افریقہ کی فتح کے بعد مالِ غنیمت کا خمس لے کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں مدینہ منورہ پہنچے اور مسلمانوں کو جہادِ طرابلس و افریقہ کی تفصیلات بتائیں۔ اس کے بعد ابن زبیرؓ جہادِ طبرستان کے لئے روانہ ہوئے۔ اس مہم کے دوران بھی ابن زبیرؓ متعدد معرکوں میں نہایت بہادری سے لڑے۔ اہل طبرستان نے شکست کھائی اور جزیہ دے کر صلح کر لی۔ طبرستان کی فتح کے بعد ابن زبیرؓ مستقل طور پر مدینہ منورہ واپس آگئے۔ اسی سال حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کی کتابت کے لئے چند جلیل القدر صحابہؓ کو مامور فرمایا۔ اس وقت اگرچہ حضرت ابن زبیرؓ کی عمر صرف 30 برس تھی؛ لیکن ان کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ اس اہم کام کے لئے بزرگ اور اکابر صحابہؓ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی شامل کیا گیا۔

35 ہجری میں حضرت عثمانؓ بن عفان کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا۔ شہادت کے وقت حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کاشانۂ خلافت کے صدر دروازے پر حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مامور تھے۔ لیکن باغیوں نے پچھلی دیوار پھاند کر حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ اب خلافت کی ذمہ داری حضرت علیؓ نے سنبھالی۔

لوگوں نے قاتلین عثمان ؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت علی ؓ کا مؤقف تھا کہ امت اس سانحہ کے بعد انتشار کا شکار ہے، اس لیے پہلے اس کے اتحاد پر توجہ دینا ضروری ہے۔ اس موقع پر عام مسلمان تین گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ نے حضرت علی ؓ کی بیعت کر لی۔ ان میں اکابر صحابہ ؓ کے علاوہ وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے حضرت عثمان ؓ کے خلاف بغاوت میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ دوسرا گروہ سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے گوشہ نشین ہو گیا۔ تیسرے گروہ نے حضرت عثمان ؓ کا انتقام لینے کے لئے باقاعدہ جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس گروہ کی قیادت حضرت عائشہ صدیقہ ؓ، حضرت طلحہ ؓ، حضرت زبیر ؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے ہاتھ میں تھی۔ قصاص کے حامی اس گروہ کا حصہ بن گئے۔ حضرت عائشہ ؓ شہادت عثمان ؓ کے موقع پر حج کے لیے مکہ میں تھیں۔ حضرت طلحہ ؓ اور حضرت زبیر ؓ نے ام المومنین کو بصرہ چلنے کے لئے آمادہ کیا، کیونکہ بصرہ میں ان کے ہم خیال لوگ زیادہ تھے۔ بصرہ میں حضرت علی ؓ کے لشکر اور حضرت عائشہ ؓ کے لشکر کے درمیانِ جنگ جمل کے نام سے افسوسناک جنگ ہوئی۔ جس میں ایک طویل جنگ کے بعد حضرت علی ؓ کے لشکر کو کامیابی ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت طلحہ ؓ اور حضرت زبیر ؓ نے جنگ کے دوران امت کے نقصان کو دیکھتے ہوئے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ البتہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے آخری وقت تک حضرت عائشہ ؓ کا ساتھ دیتے ہوئے جنگ کی۔ حضرت علی ؓ نے ام المومنینؓ کو نہایت عزت واحترام سے مدینہ منورہ بھجوا دیا۔ حضرت عائشہ ؓ نے بصرہ سے چلتے وقت لوگوں سے فرمایا: ''میرے بچو! یہ لڑائی محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی ورنہ پہلے میرا علی ؓ کے ساتھ کوئی جھگڑا نہ تھا۔'' حضرت علی ؓ نے بھی حضرت عائشہ ؓ کے الفاظ کی تصدیق فرمائی اور مزید فرمایا: ''آپؓ تمام امت کی ماں ہیں، آپؓ کی عزت و تعظیم ہم سب پر فرض ہے۔'' جنگ سے واپسی پر حضرت طلحہ ؓ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے جبکہ حضرت زبیر ؓ کو بھی بصرہ میں ایک سبائی (عبداللہ بن سباء کا ساتھی) عمرو بن جرموز نے شہید کر دیا۔ ابن زبیر ؓ اس جنگ کے بعد حضرت علی ؓ کے عہد خلافت میں گوشہ نشین رہے اور حضرت امیر معاویہ ؓ اور حضرت علی ؓ کے تنازعات میں حصہ نہیں لیا۔ (جاری ہے)

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

کراچی: تنظیم اسلامی کا وزیرستان میں ممکنہ فوجی آپریشن کے خلاف مظاہرہ

تنظیم اسلامی حلقہ جات کراچی شمالی و جنوبی کے زیر اہتمام کراچی پریس کلب کے سامنے مظاہرے کا اہتمام کیا گیا۔ اسٹیج سیکریٹری کی ذمہ داری امیر حلقہ کراچی جنوبی انجینئر نعمان اختر نے ادا کی۔ افتتاحی گفتگو میں انہوں نے کہا کہ عالم اسلام کے خلاف ہونے والے ہر واقعہ کے پس منظر میں طاغوتی سازش کی کڑیاں ملتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ ملالہ پر حملہ انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے، اور جس نے بھی یہ بزدلانہ حرکت کی ہے ہم اس کی شدید ترین الفاظ میں مذمت کرتے ہیں، تاہم ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اسلام دشمن کارروائی تھی جو ایک منصوبے کے تحت کی گئی۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے تنظیم اسلامی پاکستان کے مرکزی ناظم تعلیم و تربیت حافظ انجینئر نوید احمد نے کہا کہ ملالہ واقعہ کی مذمت امریکہ کس منہ سے کرتا ہے، جو خود بدترین دہشت گردی کا مرتکب ہے اور ایک مدت سے ڈرون حملوں سے ہزاروں بے گناہ اور معصوم لوگوں کو شہید کر رہا ہے۔ انہوں نے مغربی امداد پر پلنے والے حکمرانوں اور سیکولر عناصر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے غیور عوام اس حملے کی آڑ میں طاغوتی مقاصد کی تکمیل کے یکسر خلاف ہیں۔ ان مقاصد میں گستاخانہ فلم کے خلاف ہونے والے احتجاج میں کمی لانا اور وزیرستان میں فوجی آپریشن کرنا شامل ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ جو لوگ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر آج وزیرستان میں فوجی آپریشن کا مطالبہ کر رہے ہیں انہیں ڈرون حملوں میں شہید ہونے والے بے گناہ افراد، خواتین اور بچے کیوں نظر نہیں آتے۔ یہ لوگ لاہور، پشاور، کوئٹہ اور بالخصوص کراچی میں ہونے والی ٹارگٹ کلنگ پر تو خاموش تماشائی ہیں، لیکن ایک ایجنڈے کے تحت ملالہ واقعہ پر آسمان سر پر اُٹھا رکھا ہے۔ امیر حلقہ کراچی شمالی شجاع الدین شیخ نے اپنے خطاب میں کہا کہ ملالہ پر حملہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔ اس ضمن میں اصل قابل غور بات یہ ہے کہ ملالہ پر قاتلانہ حملے کا فائدہ کس کو پہنچا۔ یقیناً طالبان یا مذہبی جماعتوں کو اس کا فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ انہوں نے کہا کہ آج کفار مسلم امہ کے خلاف متحد ہیں مگر مسلمان آپس میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ اندریں حالات ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں میں اتفاق رائے پیدا کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ تحفظ ناموس رسالت کے لئے عالمی سطح پر قانون بنانے کی جدوجہد اور ڈرون حملے بند کروانے کا مطالبہ ہر قسم کی سیاست سے پاک ہونا چاہیے۔ آخر میں انہوں نے یاد دلایا کہ حُبِ رسول کا تقاضا یہ ہے کہ ہم آپؐ کے لائے ہوئے دین کے نفاذ کے لئے جدوجہد کریں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اہل پاکستان پر یہ دینی ذمہ داری اِس اعتبار سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ ہم نے اللہ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ خدایا تو ہمیں ایک آزاد خطۂ زمین عطا کر دے، ہم اس پر تیرے دین کو نظام نافذ کریں گے، لیکن قیام پاکستان کے بعد ہم یہ وعدہ بھول گئے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم اللہ کی طرف لوٹ آئیں اور اللہ کے دین سے وفاداری کریں۔ اس کے لئے اولین کام تو یہ ہے کہ دین کو اپنی ذات اور اپنے گھر پر نافذ کریں۔ پھر دین کو دوسروں تک پہنچائیں اور اس کے نفاذ کی جدوجہد میں اپنا حصہ ڈالیں۔

مظاہرے کا اختتام حافظ انجینئر نوید احمد کی دعا پر ہوا۔ اس مظاہرہ کا دورانیہ تقریباً سوا گھنٹہ تھا اور اس میں تقریبا 275 رفقاء نے شرکت کی۔ (مرتب کردہ: وقاص مبین خان)

شمالی وزیرستان میں ممکنہ فوجی آپریشن کے خلاف تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کا مظاہرہ

سوات کی ملالہ یوسف زئی پر قاتلانہ حملہ کی آڑ میں میڈیا پر زور وشور سے شمالی وزیرستان پر کارروائی کے حوالے سے بحث شروع ہو گئی، اور فوجی آپریشن کے حوالے سے ارباب اقتدار کے بھی بیانات آنا شروع ہو گئے۔ اس پس منظر میں مرکز کی ہدایت کے مطابق امیر حلقہ لاہور محمد جہانگیر نے مشورہ کے بعد وزیرستان میں ممکنہ فوجی آپریشن کے خلاف مظاہرہ کا فیصلہ کیا اور اِس ضمن میں یہ طے کیا کہ رفقاء حلقہ لاہور 20 اکتوبر کو نمازِ عصر مسجد شہداء مال روڈ میں ادا کریں گے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد وزیرستان میں ممکنہ آپریشن کے خلاف مظاہرہ کیا جائے گا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق رفقاء نے عصر کی نماز مسجد شہداء میں ادا کی۔ نماز کے بعد رفقاء مسجد کے باہر دو قطاروں میں بینرز اور پلے کارڈز اُٹھا کر پُر وقار انداز میں کھڑے ہو گئے۔ بینرز اور پلے کارڈز پر مختلف عبارتیں درج تھیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

☆ شمالی وزیرستان میں ممکنہ آپریشن ____ نامنظور

☆ صرف ملالہ حملہ پر ملال کیوں؟ ____ کیا بلوچستان، وزیرستان اور کراچی میں مرنے والے انسان نہیں؟

☆ اسلام نہیں تو پاکستان نہیں

☆ رب سے رشتہ جوڑو ______ امریکہ سے ناتا توڑو

رفقاء امیر حلقہ کی قیادت میں دو رویہ قطاروں میں مال روڈ کے دونوں اطراف میں فٹ پاتھ پر واک کرتے ہوئے چیئرنگ کراس پہنچے، جہاں کارروائی کا باقاعدہ آغاز تلاوت سے ہوا۔ خباب عبدالخالق نے تلاوت کی۔ اس کے بعد تجمل حسن میر نے گفتگو کرتے ہوئے کہا امریکہ کی جانب سے افغانستان پر مسلط کردہ جنگ کا نام تو دہشت گردی کے خلاف جنگ رکھا گیا ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ دہشت گردی کے حوالے سے بھولے سے بھی اسرائیل کا تذکرہ نہیں آتا جو فلسطین مسلمانوں کے خلاف بدترین دہشت گردی کا ارتکاب کر دیا ہے۔ اسی طرح کبھی بھارت کا نام بھی نہیں لیا جاتا جو کشمیری عوام کے خلاف دہشت گردی کا مرتکب ہے۔ انہوں نے کہا ملالہ سے ہمدردی بجا سہی لیکن اس ہمدردی کے لبادے میں غیروں کے ایجنڈے کو ملک پر مسلط کرنے والوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ رحم و ہمدردی کے جذبات قطعاً عاری ہے۔ یہ لوگ درحقیقت بھیڑ کی کھال میں بھیڑیئے ہیں جو ملالہ واقعہ کی آڑ میں شمالی وزیرستان میں خون مسلم کی ندیاں بہا دینا چاہتے ہیں۔ امیر حلقہ محمد جہانگیر نے مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملالہ یوسف زئی پر حملہ کو جواز بنا کر شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن پاکستان کے وجود کے خلاف گہری سازش ہے، جو پاکستان کو بارود کا ڈھیر بنا دے گا۔ انہوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ ملالہ پر حملہ تو سوات میں ہوا ہے لیکن ہر طرف شور ہے کہ شمالی وزیرستان میں کارروائی کی جائے، حالانکہ شمالی وزیرستان سوات سے کوسوں دور ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہر محب وطن پاکستانی یہ سمجھتا ہے کہ شمالی وزیرستان پر حملہ درحقیقت پاکستان کی سالمیت پر حملہ اور اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہوگا۔ مظاہرہ کے اختتام پر رحمانی صاحب نے اجتماعی دعا کروائی اور رفقاء اسی طرح پروقار انداز میں مسجد شہداء کی طرف روانہ ہوئے۔ مسجد شہداء میں نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد رفقاء اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔ (مرتب: محمد یونس)

☆☆☆

دعائے صحت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی حلقہ جنوبی پنجاب کے رفیق رضا محمد گجر (تونسہ شریف) کے بڑے بھائی عطا محمد جعفری کی ایک آنکھ کے آپریشن کے نتیجہ میں ضائع ہوگئی۔

☆ حلقہ بلوچستان کے معتمد جاوید انور کی اہلیہ شدید علیل ہیں۔

اللہ بیماروں کو شفائے کاملہ عاملہ عطا فرمائے، آمین۔ رفقائے تنظیم اسلامی اور قارئین ندائے خلافت سے بھی دعائے صحت کی اپیل ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

تنظیم اسلامی سرگودھا کے ملتزم رفیق محمد رفیق ڈوگر کے نانا جان قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے، آمین۔ قارئین سے بھی اُن کے لئے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَاَدْخِلْہُ فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْہُ حِسَابًا یَّسِیْرًا

☆☆☆

guaranteed in the Holy Book to be abided by the believers in all ages. It was the reformatory process which was initiated by the Prophet (PBUH) and which resulted in honoring the serfs to the status of kings and rulers of the vast Islamic empires. Qutbud Din Abbek and Shamsud Din Altamish were the greatest pious saints and great kings of their time. History tells us that people with a background of serfdom had ascended to the highest position of scholarship and knowledge during the blessed era of Khilafat-e-Rashida and during the reign of Banu Umayya and the Abassid Caliphate. Such eminences were given position to be respected by the sons of the very aristocratic and powerful rulers. Anyhow, it is the prerogative of Allah (S.W.T) that no explicit order has been given in the Quran regarding final abolition of the institution. We earnestly believe as Muslims, what Allah commands to do and what He disallows are full of wisdom and beneficence. We have but very little knowledge as the Holy Quran testifies at several places, "Ye know but very little". (*Wa Antum La Taalamoon)*

References: Excerpts from the lectures by the late Dr. Israr Ahmad

English translation of the verses: By Muhammad Marmaduke Pickthall

ضرورت رشتہ

☆ اردو سپیکنگ یوسفزئی پٹھان فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 24 سال، تعلیم ایم ایس سی جیالوجی، قد 5.3 فٹ کے لئے دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ، برسرِ روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0213.4110620

☆ فیصل آباد میں رہائش پذیر آرائیں فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 26 سال قد 6.2 فٹ، تعلیم ایم بی اے، کینیڈا میں مقیم برسر روزگار کے لئے دینی مزاج کی حامل امور خانہ داری میں ماہر تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ مطلوب ہے۔ فیصل آباد یا لاہور سے تعلق رکھنے والی فیملیز رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: 0418532323

☆ شریف فیملی کی نیک سیرت، صوم وصلوٰۃ کی پابند مطلقہ (بچہ کوئی نہیں) عمر 35 سال، قد 5.4 فٹ، گوری رنگت، تعلیم ایم ایس سی، ایم ایڈ کے لئے دینی گھرانے سے نیک برسر روزگار رشتہ درکار ہے۔ دوسری شادی کے خواہشمند بھی رابطہ کرسکتے ہیں۔ دینی و نظریاتی شخص کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: 0322-8154370

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

believers to set free their bonded men out of beneficence. It says, "*But he hath not attempted the ascent. Ah, what will convey unto thee what the Ascent is? (It is) to free a slave---" (90: 11,12 and 13)* The glorious deeds of Hazrat Abubakar for the cause of Islam include freeing of those slaves who adopted Islam, when he paid heavy amounts for freeing such people. This list of people freed by Abubakar, include Hazrat Bilal as well. Hazrat Usman, the 3rd righteous Caliph of the Umma, is on record to have said, "Since the day I accepted Islam there has not been a single day of Friday when I have not freed a slave by paying to the masters. We can imagine the number of people freed by Hazrat Usman since he is one of the earliest who accepted Islam. He ranks number six in that row. The Divine Law has also fixed expiations for certain wrongs when committed by the believers, to free slaves as compensation for that sin or wrong thus opening different channels for the reformation of the institution of slavery. The most important point to be kept in mind is that Islam has declared it one of the biggest sins, when a free human being is captured to be bonded into slavery. In the history of Islam only those people were treated as slaves who were captured as combatants against the Islamic forces, fighting a just war fully in consonance with the principles laid down for the battle in the cause of Islam. Mostly such categories of captured slaves were released, some times in exchange of compensatory money and most often as such out of benefaction. At times such captured people were set free in exchange of the Muslim fighters captured by the enemy. Anyhow, if such steps seemed to be contrary to the interest of the Muslim society, then the POWs were to be distributed among the Muslims where they were to be treated in accordance with high moral and ethical standards prescribed by Islam for such category of captives.

Look back at the black citizens in the most civilized country, America. The forefathers of these blacks were captured in Africa, like the hunters catch their hunted animals. They were loaded in ships like animals and transported to America as slaves. There these free people were sold like animals and were treated as animals for the rest of their life. We do acknowledge that later on American society has done a good deal of compensatory measures to compensate to some extent the crime committed by their forefathers. Thus the condition of the following generations of those unfortunate blacks was ameliorated to some extent. In this connection Abraham Lincoln, the 6th President of America, deserves special compliments for playing a key role in giving the blacks a place of honor in the society. Notwithstanding all this, the collective mind of the Americans, even today, is not willing to treat the blacks as equal citizens to the whites. This is an historical fact and cannot be repudiated for the cruelty committed by the so-called civilized people. Contrary to this, Islam has declared such an act to be the most heinous crime and evil when some one is captured and forced into slavery.

One of the important points in this connection to be noted is that the institution of slavery has not been finally abolished since there is no verse in the Holy Book which ordains complete and final end of this institution. In the Quran prohibitive commandments about the abolition of various evils have come in a gradual sequence till its final end. A gozod example is the prohibition of intoxicants. We see that the first commandment about this menace was that no one should go for prayers when under intoxication.(4:43). Then came the warning in these words,"*Satan seeketh only to cast among you enmity and hatred by means of strong drink and games of chance, and to turn you from remembrance of Allah and from (His) worship. Will ye then have done? (5:91*) Verse preceding to it gives a clear order, "----Leave it aside in order ye may succeed". In the same way gradual prohibition orders came for the stoppage of usury. The first order in this connection was a moral denunciation of the usury as revealed in the Sura-e-Rome, (30;39) which says,"*That which ye give in usury in order it may increase on (other) people's property hath no increase with Allah; but that which ye give in charity, seeking Allah's countenance, hath increase manifold*". The compound interest was declared prohibited in Sura-e-Ale Imran. The final commandment about interest was revealed in the 9th Hijri in Sura Al'Baqra, a little before the Prophet's (S.A.W) death. Anyhow, there is no exclusive commandment in the Quran which categorically puts a final seal on the institution of slavery and concubinary. Let's have a look at the instructions which the Quran has so emphatically given to the believers regarding the bonded men and women if they happen to exist in a Muslim society.

Feed them what you eat yourself.

Clad them the same clothing which you use yourself.

Treat them with beneficence.

Moreover, there are the Quranic teachings based on moral sense of the believer to free those who are under the yoke of bondage. There are instructions to use supererogatory and obligatory alms for freedom of the bonded people. It is a permanent provision

Muhammad Faheem

Islam and the Institution of Slavery

There is a general misconception about the traditional slavery as if it is an institution created or nurtured by Islam. The fact is the other way round and Islam has actually played a pivotal role in abolishing the custom of enslaving people which existed when the last Prophet (s.a.w) proclaimed his message of the revival of Islam at the beginning of the 7the century A.D. The misconception further intensifies and makes complications when people see the Quran speaking of the concubines in a number of the Suras like in Almominoon and Alma'Arij where permission has been granted to the Muslims for keeping concubines beside the wives under regular wedlock. In both the Suras the words are,*"Save from their wives or the (slaves) that their right hands possess, for then they are not blameworthy"(23:6 and 70:30)* There are question marks and doubts about the institution of slavery and concubinary tradition which need clarification vis-a-vis its permission as an institution in Islam. Some of the important basics to be understood clearly in this connection are elaborated to clarify the actual situation related to this issue.

The first point is that the institution of slavery and concubinage is never an integral part of the system of Islam, which means that it is not obligatory on the Muslims to compulsorily own slaves and concubines.

The second fact is that the institution existed in its very cruel form and was very deep rooted in that Pagan society of '*Jahilia*' at the time of the advent of the Prophetic message of the Holy Prophet (pbuh) like so many other traditions existing there. Islam had to take care of it to mend and reform it like it did for a number of other institutions by adopting a gradual reformatory approach. A number of changes were introduced and implemented by the Prophet to bring this institution to a status compatible to the human norms. Some of the reformatory steps taken were as follow.

It was repeatedly emphasized by the Quran and hence by the Holy Prophet that the men and women in bondage are your brethren. It is only a relationship that has been established between you two, like the relation between an employer and employee. As human beings both the master and the bonded person are equal. It is why the Prophet (s.a.w.) has very emphatically ordained his followers to feed their slaves what they eat themselves and give them the same garments they use themselves. The prophet (SAW) has stressed the believers to treat the slaves with kindness. Through its moral teachings, Islam has attempted to give to these downtrodden, hapless and oppressed people a place in the society equal to that of the free people. Even the worst enemies of the Prophet have testified this fact. H.G. Wills, otherwise known for his animosity with the Prophet Muhammad (SAW) has acknowledged what the Prophet had done in this respect.

Islam has opened a way for the slaves to get freedom when it ordained 'Makatibat' in the holy Quran. *(Makatiba is the term for the agreement with the master of pledging an agreed amount to be paid in return of freeing a person from the yoke of serfdom.)* The Divine Law (Sharia) has made it obligatory on the master that he will not hesitate accepting an offer done for such a deal. The individual so freed will work to earn to be paid to the master according to the terms of the agreement reached at as revealed in verse 33 of Sura-e-Alnoor.(24:33) It says,*"And let those who cannot find a match keep chaste till Allah gives them independence by His grace. And such of your slaves as seek a writing (of emancipation), write it for them if ye are aware of aught of good in them, and bestow upon them of the wealth of Allah which He hath bestowed upon you. Force not your slave-girls to whoredom that ye may seek enjoyment of the life of the world, if they would preserve their chastity, and if one forces them, then (unto them), after their compulsion, lo! Allah will be Forgiving, Merciful"*.To make the payment easier for the person seeking freedom, it has been ordained to all the believers and even to the concerned master to help the person seeking freedom from the clutches of serfdom, through charity and obligatory alms (zakat) to enable him to pay the amount of the deal. In the Quranic terminology freeing of the slaves has been mentioned as an act of beatitude or 'Falah'. (2:177) Similarly in verse 60 of the 9th Sura of the Quran, the list of people entitled for Zakat includes those seeking freedom from the yoke of slavery. In Sura Albalad (90th Sura of the Quran) a very loveable style has been adopted to persuade the